

شیعہ سنتی مفہومت کی ضرورت و اہمیت

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی اجمنوجہد ملکہ الرمان لاهور

شیعہ سُنّی مقاہمت کی ضرورت و اہمیت

اور

اہل سنت اور اہل تشیع کے بعض اہم اختلافات
کی اصل حقیقت و حیثیت



ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،
داعی تحریک خلافت پاکستان، وامیر تنظیم اسلامی



مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۵۸۶۹۵۰۱-۳، ماؤنٹ ناؤن، لاہور فون:

نام کتاب ————— شیعہ سنی مفہومت کی ضرورت و اہمیت
بار اول (فروی 1997ء) 2200
بار دوم (مئی 1999ء) 1100
بار سوم (فروی 2004ء) 1100
ناشر ————— ناظم نشر و اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقام اشاعت ————— 36۔ کے ماؤں ٹاؤن لاہور
فون : 5869501-03، فکس : 5834000
ایمیل : anjuman@tanzeem.org
ویب سائٹ : www.tanzeem.org
طبع ————— شرکت پرنگ پرنس، لاہور
قیمت ————— 48 روپے

انتساب

پاکستان کے اثنا عشری شیعہ حضرات

کی خدمت میں

اس استدعا کے ساتھ کہ :

○ اللہ اور رسول کے نام پر

○ وحدت امت مسلمہ کے نام پر

○ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے نام پر

اور

○ حضرت مهدی موعود کی نصرت و حمایت کے اہتمام و انصرام کے نام پر

شیعہ سنی مقاومت کی اس مثبتے اساس

پسنجیدگی کے ساتھ غور کریں جو اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے

اور جسے امام خمینی اور ایران کی موجودہ قیادت کی مکمل تائید حاصل ہے!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

ترتیب

تفہیم

5

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد

باب اول

○ پاکستان میں شیعہ سنی مقاہمت کی اہمیت
اور اس کی ٹھوس اساس

11

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمع

○ ضمیمہ :

اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت اور
مقاہمت کا راستہ

47

خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی

باب دوم

○ مقدمہ :

امیر تنظیم اسلامی کا سفر ایران۔ ایک روپر تاثر

54

تحیر : ڈاکٹر عبدالحلاق

○ سفر ایران کے مشاہدات اور تاثرات :

69

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمع

باب سوم

○ شیعہ سنی اختلافات کا جائزہ اور حضرت مهدی موعود کی شخصیت
کے بارے میں الہست اور الیل تشیع کا موقف

101

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمع

تھدید

پیش نظر کتاب میں میری تین تقریریں جمع کر دی گئی ہیں، جو ابتدائی کیست کے شیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے جوں کی توں "میثاق" کی مختلف اشاعتیں میں شائع کر دی گئی تھیں۔

ان میں سے پہلی تقریر ۱۹۹۵ء کو جامع مسجددار السلام، باغ جناح لاہور میں کی گئی تھی اور پھر پہلے تو شیپ سے آتا کہ "میثاق" بابت اپریل ۹۹۵ء میں شائع کر دی گئی تھی، اور بعد ازاں وسیع پیارے پر اشاعت اور بلاقیمت تقسیم کے لئے تنظیم اسلامی نے "پاکستان میں شیعہ سنی مفہومت کی اہمیت اور اس کے لئے مؤثر اور محسوس اساس" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع کی تھی۔

دوسری تقریر میں نے یکم نومبر ۹۶ء کو اسی مقام پر، اپنے او اخرا کتوبر میں سفاری ان سے واپسی پر کی تھی جو ۹۶ء کے "میثاق" میں طبع ہوئی تھی۔

اب ان تینوں کو مضمون کے اشتراک کی ہنا پر یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔

ما�چ ۹۵ء اور نومبر ۹۶ء کے دوران دوناہم واقعات ظور پذیر ہوئے جن کا ان تقریروں سے برآہ راست تعلق ہے۔

ایک یہ کہ جب میں نے ۱۹۹۵ء کی تقریر میں پیش کردہ مصائب حق فارمولے پر تحریک جمفریہ پاکستان کے قائد جناب سید ساجد حسین نقوی سے گفتگو اور ملاقات کے لئے وقت مناگتاً انہوں نے کرم فرمایا کہ خود ہی اپنے چند رفقاء کے ہمراہ مجھ سے ملنے کے لئے اسلام آباد میں میری قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ یہ ان کی بہت بڑی محبتی تھی جس کے لئے میں ان کا تو ممنون ہوں ہی، اس کے لئے جو کوشش اور سفر اسلام آباد کی جو زحمت جناب سید ہادی علی نقوی نے پرداشت کی اس کے لئے ان کا بھی خاص طور پر شکریہ ادا

کرنا ضروری سمجھتا ہوں--- اور اگرچہ اس ملاقات سے فوری طور پر کوئی عملی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، لیکن انگریزی مخادرے کے مطابق ”برف توٹھی گئی“۔ ان شاء اللہ آمنہ رابطے سے بہتر تن بھی حاصل ہو جائیں گے۔

اس سے بھی بت اہم تر واقعہ یہ پیش آیا کہ نومبر ۱۹۹۵ء میں حکومت ایران کے ایک اہم ملکے ”شفافت و علاقات اسلامیہ“ کے تحت قائم ہونے والے ادارے ”المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیہ“ کے سربراہ جناب آیت اللہ محمد واعظ زادہ الخراسانی پاکستان کے دورے پر آئے تو ازراہ کرم مجھ سے ملاقات کے لئے قرآن اکیدی بھی تشریف لائے۔ ان کے ذریعے مجھے یہ معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ موجودہ ایرانی قیادت کا طے شدہ موقف وہی ہے جو میں نے مارچ ۹۵ء کی تقریب میں ”ڈرتے ڈرتے“ پیش کیا تھا، اور جس کے بارے میں ہر جا ب سے یہی صدا سننے میں آئی تھی کہ اسے اہل تشیع کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ بلکہ بعینہ یہی موقف قائد انقلاب ایران جناب آیت اللہ روح اللہ شفیقی مرحوم کا بھی تھا۔ اپنی معلومات میں اس اضافے پر میں حیرت اور سرسرت کے طے جلسے جذبات سے سرشار ہو گیا۔ اور میں نے اس کی توثیق مزید اور ”علی روں الشاشاد“ اعلان کے محترم واعظ زادہ صاحب کو قرآن کا لج میں اسی موضوع پر خطاب کی دعوت دی جو انہوں نے بکمال لطف و کرم منظور کر لی۔ چنانچہ انہوں نے وہاں بھی عام میں اپنے اور ایرانی قیادت کے اس موقف کو علی الاعلان فارسی میں بیان کیا جس کا اردو ترجمہ ہم نے مجلہ ”ندائے خلاف“ کی ۱۹ دسمبر ۹۵ء کی اشاعت میں شائع کر دیا۔ اور اب اسے میری ۷ مارچ ۹۵ء والی تقریب کے ساتھ بطور ”ضمیمه“ شائع کیا جا رہا ہے۔ (جناب واعظ زادہ خراسانی صاحب کے فارسی خطاب کا ترجمہ جامعہ ہنگاب کے شعبہ فارسی سے وابستہ قابل احترام استاذ جناب رشید نواز شاہ علی صاحب کی کاؤش کامروں منت ہے، جن کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں)۔

بہرحال اس عکس ”متفق گردید رائے بولی علی بارائے من!“ کے اکٹھاف نے جہاں ایک جانب مقامی طور پر میری حوصلہ افزائی کی اور پاکستان کے مستقبل کے بارے میں میری امید و ہم کا توازن امید کی جانب بڑھا دیا، وہاں دوسری جانب یہی چیز میرے اکتوبر

۹۶ کے دورہ ایران کا سبب بن گئی۔

اس کتاب میں شامل میری دو سری تقریر، جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، 'سفر ایران سے واپسی کے فوراً بعد نومبر ۹۶ء میں کی گئی تھی۔ لذ اعزیزم ڈاکٹر عبدالحالق کی لکھی ہوئی اس سفر کی مختصر روداد کو اس کے "مقدمے" کے طور پر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

تیسرا تقریر اگرچہ زمانی اعتبار سے تو دو سری سے مقدم تھی، اس لئے کہ ۱۱ اکتوبر کو سفر ایران سے متصل قبیل کی گئی تھی۔ لیکن یہ چونکہ ایک ایسے موضوع سے متعلق ہے جس کے ضمن میں اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین کچھ امور مابہ الاشتراک بھی ہیں، اور ایک اہم بات اختلافی بھی، لذ اسے ایک مستقل جنیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسے کتاب کے آخر میں رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی مساعی کو تقویت کا ذریعہ بنادے۔ وَمَا ذلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ۔

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۱۹۹۷ء / جنوری ۲۶

مطابق ۱۵ / رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ

باب اول

پاکستان میں شیعہ سُنّی مفہومت
کی اہمیت

اور

اس کی ٹھوس بنیاد



ڈاکٹر اسرار احمد

کاظلاب جمع



مع

ضمیمه

اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت

اور مفہومت کا راستہ

خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراصانی

پاکستان میں شیعہ سنی مفاهیم

کی اہمیت اور اس کی ٹھوس بنیاد

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

(۷۱ مارچ ۱۹۹۵ء)

خطبہ مسنونہ کے بعد :

أَمُوذِّبِ اللَّهِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ يُسَمِّ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّجِيمُ
شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَضَعَ إِنَّمَا حَرَّثَ اللَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ
وَمَا وَصَّيْنَا إِلَيْهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ
وَلَا تَنْفَرُوا فِيهِ، كَبُرُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ
اللَّهُ يَعْلَمُ بِإِيمَانِهِمْ وَيَعْلَمُ بِإِيمَانِهِمْ مَنْ يُنِيبُ وَمَا
تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ، وَلَوْلَا
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمٍّ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ، وَإِنَّ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ قِنَّةٌ مُّرِيبٌ
فِي لِذِلِّكَ فَادْعُ، وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ، وَلَا تَتَبَعْ أَهْوَاءَهُمْ،
وَقُلْ أَمَّنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ، وَأُمِرْتُ لَا عِدْلَ بَيْنَكُمْ،
اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ، لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ، لَا مُحَاجَةٌ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، اللَّهُ يَجْمِعُ بَيْنَنَا، وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ

صدق اللہ اعظم

آج میں تمام وقت امور کو نظر انداز کر کے اور کسی تمہیدی بحث میں وقت صرف کئے بغیر براہ راست اسی موضوع پر اپنی گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں جس کا اعلان کیا گیا ہے۔ یعنی ”پاکستان میں شیعہ سنی مذاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے کوئی متوازن اور ٹھوس اساس“۔ پیش نظر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے اپنا مانی الصیر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو میری اس تقریر کا کیسٹ عام کیا جائے، اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے، تا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت میں اس سلسلہ میں کوئی مشیت پیش رفت ہو تو یہ اس کا ایک ذریعہ بن جائے۔

اس موضوع پر براہ راست گفتگو سے قبل میں سورہ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو میں نے آغاز میں تلاوت کی ہیں۔ ان آیات کا براہ راست تعلق اس موضوع سے ہے اور ان کی روشنی میں ہمیں اس بیانی بحث کی طرف راجہنمای بھی حاصل ہوتی ہے کہ اسلام میں فقی ممالک اور مذاہب کی اہمیت اور ان کی مشیت کیا ہے اور ان کے بارے میں صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہئے؟ شیعہ سنی مسئلہ پر گفتگو سے قبل اصولی طور پر یہ بات پیش نظر ہنسی چاہئے کہ اسلام میں مختلف فقی ممالک موجود ہیں۔ چنانچہ حنفیت، شافعیت، مالکیت اور حنبلیت کے علاوہ ظاہریت اور سلفیت یعنی الہجری مشیت اور فقہ جعفری بھی موجود ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان چیزوں کی کیا مشیت ہے، ان کی کیا اہمیت ہے اور ان کے بارے میں ہمارا طرز عمل اور طرز فکر کیا ہونا چاہئے؟ اس سلسلے میں ان تین آیات کا حوالہ دراصل صرف اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ہمیں اس موضوع سے متعلق ان آیات سے جوہد ایات اور راجہنمای ملتی ہے اسے ہم اخذ کریں۔ اس وقت ان آیات کا درس دینا اور ایک ایک لفظ پر گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے۔

دین اور شریعت میں فرق

میرے نزدیک سورہ الشوریٰ کی آیت ۱۳ اس اقتدار سے قرآن حکیم کا زروہ نامہ ہے کہ دین اور شریعت میں جو فرق ہے وہ یہاں نہایت عمدگی سے واضح ہوتا ہے।

شَرَعَ لِكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّلَى بِهِ نُوحًا وَالذِّي أَوْحَيْنَا إِلَيْكُمْ
وَمَا وَصَّلَى إِلَيْهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ...

”(اے مسلمانو) اس (اللہ) نے تمارے لئے بھی دین میں وہی شے معین کی ہے جس کی وصیت کی تھی اس نے نوحؑ کو اور جو می کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ایراہیمؑ کو اور موسیؑ کو اور عیسیؑ کو.....“

ان الفاظ مبارکہ کا براہ راست جو نتیجہ لکھتا ہے وہ یہ ہے کہ دین یہیشہ سے ”از ازل تا ابد‘ ایک ہی رہا ہے۔ اس آیت میں تو صرف ”أُولُوا الْعِزَمِ مِنَ الرُّسُلِ“ یعنی حضرت نوحؑ، حضرت ایراہیمؑ، حضرت موسیؑ، حضرت عیسیؑ علیہم الصلاۃ والسلام اور حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ ہے، ورنہ دین تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ہی ہے اور یہی دین یہیشہ برقرار رہے گا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ تمام انبیاء و رسول (علیہم الصلاۃ والسلام) کا دین ایک ہی تھا۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں جدا تھیں۔ کم از کم دو شریعتیں یعنی شریعت موسیؑ اور شریعت محمدؑ تو بالکل واضح طور پر جدا ہیں۔ اس لئے کہ باقی شریعتوں کے بارے میں ہمارے پاس زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کون سی شریعت اور کیا احکام دیئے، یہ ہمیں معلوم نہیں، کیونکہ ان کا کوئی صحیفہ یا کوئی کتاب آج موجود نہیں ہے۔ اگرچہ اب بھارت میں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ”منوسرتی“ در حقیقت حضرت نوح علیہ السلام کا صحیفہ ہے اور ”منو“ اصل میں ”مانوچ“ کی بدلتی ہوئی تھیں ہے (ہندی میں ”ما“ بڑے کوکتے ہیں، جیسے ”ماجا“ لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کا میں نے حوالہ کے طور پر ذکر کر دیا، ورنہ قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کے کسی مصدقہ صحیفہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ایراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ہمیں فطرت کی کچھ چیزیں تو معلوم ہیں، جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”عشرہ مِنَ الْفَطْرَةِ.....الْحَدِيثُ“ یعنی ”دس چیزیں فطرت میں سے ہیں....“ اور وہ حضرت ایراہیم علیہ السلام ہی کی سنت

ہیں۔ لیکن آیا انہیں شریعت کے کوئی تفصیلی احکام بھی دیئے گئے یا نہیں، اس کا ہمارے پاس نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی ریکارڈ۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت یقیناً دی گئی جسے ہم شریعت موسویٰ کے نام سے جانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ماننے والوں کو یہی کہہ کر گئے کہ ”یہی شریعت تم پر بھی لاگو رہے گی۔“

(Don't think I have come to destroy law) پس جو شریعتیں آج معلوم ہیں وہ دو ہیں : شریعت موسویٰ اور شریعت محمدیٰ اور ان دونوں میں بعض اعتبارات سے بڑا فرق ہے۔ روزے کی صورت اور نماز کی بیت میں فرق کے علاوہ اور بھی بعض احکام میں واضح فرق ہے۔ اس اعتبار سے اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی سنجائش نہیں ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں مختلف ہیں لیکن دین ایک ہی ہے۔ اسی لئے میں اس آیت مبارکہ کے اگلے حصے پر زور دیتا چاہتا ہوں :

أَنَّ أَقِيمُوا اللَّيْنَ وَلَا تُنْفِرُ قُوَّافِيهٍ

”کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرق نہ ہو جاؤ۔“

یہاں پر ”فیہ“ (اس میں) کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی اختلاف کسی اور معاملے میں تو ہو سکتا ہے، لیکن دین کے معاملے میں تفرقی اور تفرقہ نہ ہو۔ اسی چیز کو قرآن مجید نے دو اور مقامات پر مزید واضح کیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۰ کے الفاظ ہیں :

إِنَّ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا يُشَيَّعُونَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

”(اے نبی ﷺ) جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخڑے کر لئے اور وہ

گروہوں میں منقسم ہو گئے آپؐ کا پھر ان سے کوئی سروکار نہیں۔“

اور جیسا کہ میں نے بارہا کہا ہے کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم از کم دو مقامات پر لازماً آتے ہیں، چنانچہ ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ مضمون سورۃ الروم (آیات ۳۲، ۳۳) میں بھی باس الفاظ آیا ہے :

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشَرِّكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَقُوا دِينَهُمْ ۝

وَكَانُوا يُشَيَّعُونَ ۝ كُلُّ شَرِيبٍ بِمَا لَدَنِيهِمْ فَرَحُونَ ۝

”اور (اے مسلمانو!) تم ان مشرکین کی طرح نہ ہو جانا جنوں نے اپنے دین کے

گلڑے گلڑے کر دیئے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور ہر گروہ جو کچھ (دین کا حصہ) اس کے پاس ہے (اس کو لے کر پیٹھا ہوا ہے اور) اس پر خوش دخیرم (اور مطمئن) ہے۔

گویا

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف سمجھری ہوتی ہے داستانِ میری ا
یہ وہ مضمون ہے جس کے بارے میں میں نے عرض کیا ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳
اس کا زرودہ نام ہے، جس میں فرمایا گیا کہ ”أَنَّ أَقِيمُوا اللَّهَ عَلَى الْأَرْضِ وَلَا تَنْفَرُّ قَوْمًا فِي دِينٍ“
یعنی ”یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالوا“۔ شریعتوں کے اختلاف کے باو صاف
دین میں تفرقہ نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ ”دین“ کیا ہے؟ دین کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو
وہ ”توحید“ ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؟ یہ کہ حاکم مطلق صرف اللہ کو تشییم کیا جائے،
پوری زندگی اس کے احکام کے تحت آجائے۔ یہ دین تو حید ہے۔ البتہ اس کی عملی شکل میں
ایک چیز کا اضافہ ہو جائے گا اور وہ یہ کہ حاکم حقیقی کامنا سندہ چونکہ رسول وقت ہوتا ہے لذा
دین نام ہے اللہ کی اطاعت اور رسول وقت کی اطاعت کا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے وقت میں
اللہ کے نمائندے تھے، اسی طرح حضرت موسیؑ اور عیسیؑ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے
نمائندے تھے۔ اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا دری رسالت شروع ہونے کے بعد
آپؐ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی رسالت
ابدی اور دائمی ہے لذا اب قیامت تک ”دین“ کی تعریف یہی ہو گی کہ ”اللہ کی حاکیت
اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت“۔ اور عملی اقتبار سے چونکہ اللہ کی حاکیت بہت حد
تک ایک نظری شے بن جاتی ہے لذاست یا اطاعت رسولؐ اہم تر ہو جاتی ہے۔ یہی بات
ہے جسے علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں واضح کیا ہے کہ۔

”مصطفیؑ بر سار خویش را کہ دین ہے اوس ت

اگر باو نہ رسیدی تمام بولبی است

چنانچہ دین نظری اعتبار سے اگرچہ "رین اللہ" ہے، دین توحید ہے، بالفاظ دیگر حاکیت اللہ کی ہے، لیکن عملی اعتبار سے یہ دین مُحَمَّدُ اللَّهُبِّعِیٰ ہے۔ اسی طرح یہ اپنے اپنے وقت میں دینِ موسیٰ اور دینِ عیسیٰ (طیہما السلام) تھا۔

تفرقہ کا اصل سبب اور اس کا نتیجہ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تفرقہ و افتراق کا اصل سبب کیا ہے؟ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اختلاف اور تفرقہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اختلاف اپنی جگہ ہے، جس کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے : "لَا يَزَّالُونَ مُجْتَلِفِينَ وَلَذِلِكَ خَلَقَهُمْ" (ہود : ۱۱۸-۱۱۹) یعنی "یہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے..... اور اسی طرح اُس نے انہیں پیدا کیا ہے"۔ یعنی اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اصول ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا ہے۔ کائنات میں یکسانیت (monotony) کہیں ہے ہی نہیں۔ دو انسانوں کی شکلیں آپس میں نہیں ملتیں، اور تو اور ان کے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے نشانات تک آپس میں نہیں ملتے۔ اللہ کی تخلیق میں ایک بولگمنی اور رنگارنگی ہے۔ سورہ الروم میں فرمایا کہ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی عظیم آیات میں سے ہے۔ گویا اختلاف اس کائنات کے لئے ایک اصول موضعہ اور تخلیق کی ایک بیانیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانوں کی زبانوں میں فرق ہے، ان کی صورتوں اور رنگوں میں فرق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے مزاج ایک نہیں، ان کی ترجیحات ایک نہیں، ان کے ذوق ایک نہیں، ان کے فہم کامعبiar ایک نہیں، ان کی ذہانت ایک سی نہیں۔ چنانچہ اختلاف تو ہر جگہ موجود ہے اور یہ کوئی ایسی بروی اور انہوں نے شے بھی نہیں، جبکہ تفرقہ ایک الگ شے ہے۔ اختلاف کو گوارا کرنے کی بجائے اگر "من دیگرم تو دیگری" کی نوبت آجائے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے جائیں تو یہی تفرقہ ہے جو کفر اور شرک سے کم نہیں۔ تفرقہ کا سبب قرآن حکیم میں کم از کم ۵ مقامات پر ایک جیسے الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔ یہاں سورہ الشوریٰ کی آیت ۲۳ میں بھی یہی فرمایا گیا :

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا حَاجَهُمُ الْعِلْمُ بَعْيَادَيْنَهُمْ

”اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، آپس کی ضد کی وجہ سے“

تفرقہ جب بھی ہوتا ہے وہ ”بَعْيَا بَيْنَهُمْ“ کی نیاد پر ہوتا ہے۔ یعنی خدم خدا، ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کی کوشش۔ تفرقہ کبھی نیک نیت سے نہیں ہوتا۔ نیک نیت سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن تفرقہ نہیں۔ تفرقہ کا سبب ہیشہ یہی ہوتا ہے جو قرآن نے ”بَعْيَا بَيْنَهُمْ“ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک دوسرے پر تعدی اور بالادستی۔ جدید ماہرینِ نفیات میں سے ایک نے اسے ”حِتْ تفوق“ (Urge to dominate) سے تعبیر کیا ہے۔

اس آیت کے آخری حصے میں ایک بڑی عظیم اور تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس تفرقہ کا نتیجہ کیا لکھتا ہے۔ فرمایا:

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوذِنُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكَرٍ مُّرِيبٍ ۝

”اور ان کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے، وہ اس کے بارے میں ٹھوک و شہمات میں جلا ہیں۔“

یعنی جب دینی را ہنساؤں کے مابین تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے تو اگلی نسلوں میں خود کتاب اللہ کے بارے میں ٹھوک و شہمات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حال آج ہماری نئی نسل کا ہے جو کہتی ہے کہ یہ مولوی تو آپس میں لڑتے رہتے ہیں، ہم کس کی سیئں؟ خواہ یہ بد نیتی سے کہا ہوا جملہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن بہر حال جملہ تو ایسا ہے کہ جس پر خاموش رہنے اور گروں جھکانے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے ایسے سب دراصل تفرقہ کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک نسل کو اللہ کے نبی سے کتاب منتقل ہوئی جو اگلی نسل کو منتقل ہو رہی ہے۔ لیکن اب جو اس کے وارث بنے ہیں وہ اس تفرقہ کی وجہ سے اس کتاب ہی کے بارے میں ٹھوک و شہمات میں جلا ہو جاتے ہیں۔

تکمیل رسالت کا تقاضا: ”تکمیل دین“

اگلی آیت (نمبر ۱۵) کا حوالہ بعد میں آئے گا کہ اس صورت حال میں طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔ سر دست ایک اور اہم حقیقت کی طرف توجہ فرمائیے اب تھوڑا کہ پہلے ہم ایک اصولی بات سمجھ لیں جس کا براہ راست تعلق ہمارے آج کے موضوع کے ساتھ ہے۔ انبیاء کرام کے ضمن میں تو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا کہ دین اور شریعتوں کے ماہین کیا نسبت و تناسب ہے، ان کی کیا اہمیت ہے اور اپنی اپنی جگہ پر ان دونوں کا کیا مقام ہے، یعنی دین ایک ہے اور شریعتیں جدا جدیں۔ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا خاتمه ہوا اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔ اب ان دونوں چیزوں کے علیحدہ علیحدہ تقاضے ہیں۔ ہمارے ہاں ختم نبوت پر تو ٹھنڈگو بہت ہوتی ہے لیکن تکمیل رسالت پر بہت کم ہوتی ہے۔ ان موضوعات پر میری تقریروں کے کیسٹ موجود ہیں، اس وقت صرف حوالہ دے کر گزر رہا ہوں۔ آنحضرت ﷺ پر صرف نبوت ختم ہی نہیں ہوئی، بلکہ اس کی تکمیل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت کی بنیاد تکمیل نبوت و رسالت ہے۔ محض ختم نبوت تو در حقیقت فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس کی دستوری اور قانونی جیشتوں مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جس کسی نے نبوت یا رسالت کا دادعویٰ کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسی طرح جس کسی نے ایسے شخص کی تصدیق کی وہ بھی اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ لیکن محمد ﷺ کی فضیلت کی اصل بنیاد تکمیل نبوت و رسالت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ”آلیومَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيَّسًا“ کے مطابق اسلام اب مکمل ہو چکا اور اس اسلام کے بارے میں سورہ آل عمران میں دو گھنے دو توک انداز میں فرمادیا گیا:

(۱) إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آیت ۱۹)

”یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

(۲) وَمَنْ يَبْتَغِ عَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آیت ۸۵)

”اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین ملاش کر لیا وہ ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“

یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ پر اس سلسلے کا خاتمہ ہو گیا اور اب ہیشہ کے لئے "کتاب و سنت" کا تعین ہو گیا۔ اللہ کی کتاب اب ہیشہ کے لئے قرآن ہے اور سنت رسول یا اطاعتِ رسول کا مصداق ہیشہ کے لئے سنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اطاعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

تفرقہ کی بنیاد: عقیدہ ختم نبوت سے انحراف

اور یہ سمجھ لیجئے کہ اب اس میں اگر تفرقہ ہو گا تو صرف عقیدہ ختم نبوت سے انحراف کرنے یا بالفاظ دیگر نبوت کی مرتوزنے سے ہو گا۔ اگر آپ کتاب و سنت کے پابند ہیں تو تفرقہ ممکن نہیں۔ اب تفرقہ صرف مرتوزنے سے ہی ہو گا، جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کی طرف سے اس تفرقہ کا مظاہرہ ہوا، "خواہ وہ بہائی ہوں، قادریانی ہوں یا کوئی اور ہوں، وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ باقی جو لوگ کتاب اور سنت پر قائم رہیں ان میں تفرقہ کا امکان نہیں ہے۔ ان کے مابین اختلاف ہو سکتا ہے اور یہ اختلاف ہی ہے جو امت میں چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت سے استنباط و استدلال کا عالم ہو، نئے مسائل پر احتداہ کرنا ہو، کتاب و سنت سے استنباط و استخراج کے اصول بنانے ہوں، جن کا نام اصول فقہ ہے، ان میں تھوڑے بہت فرق و تفاوت کا ہو جانا ممکن ہے۔ طریق استنباط میں کچھ فرق و تفاوت ہو جائے گا، پھر اس میں ترجیح یعنی راجح اور مرجوح کا کچھ فرق و تفاوت ہو سکتا ہے، اس وجہ سے اختلاف تلقینا ہو گا۔ لیکن جب تک کتاب و سنت دونوں اپنی جگہ پر قائم ہیں تفرقہ نہیں ہو گا۔ تفرقہ کی بنیاد صرف مرتزم نبوت کو تھوڑا دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک اس امت میں، چودہ سو برس میں، عکفی پر اگر اجماع ہوا ہے تو صرف ان لوگوں کی جنوں نے کسی حقی نبوت کا دعویٰ کیا۔ امت کی تاریخ میں معنوی نہیں، بہت بڑے بڑے اختلافات ہوئے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی عکفیر نہیں ہوئی۔ جس قدر "Tolerance" (برداشت)، اسلام کی تاریخ میں رہی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی نہ ہب میں نہیں ملتی۔ عیسائیت کی تاریخ پڑھئے کہ ان کے فرقوں کے درمیان اتنا کشت

و خون ہوا ہے کہ اس پر ان کی اپنی گرد نیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ اس کے بر عکس اسلام نے اختلافات کو absorb کیا ہے۔ اس مضمون میں اس کے اندر inbuilt mechanism موجود ہے اور یہ موقوٰث shock-absorbers بھی ہیں۔ اس میں اختلافات کے لئے کمکی سمجھائش ہے۔ الفاظ قبرآنی "لَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ..... وَلِذِلِكَ خَلَقْهُمْ" کی بہترن مثال اسلام کی تاریخ میں سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعبیرات، استنباطات، استدلالات اور ان کے اصول کے اندر جو بھی فرق و تفاوت ہو اسی سے حفیت، شافعیت، مالکیت، حنبلیت، ظاہریت اور سلفیت وجود میں آگئیں۔ یہ ال سنت کے مختلف ممالک ہیں، جن کے مابین اگر کوئی اختلاف ہو سکتا ہے تو وہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ میں ابھی ال شیعہ کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا کہ وہاں ایک معاملے میں اکر مزید فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ صرف یہ سمجھ لجئے کہ ال سنت کے مختلف مکاتب فقہ جنہیں ممالک یا مذاہب کہا جاتا ہے یہ سب کے سب کتاب و سنت پر جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سب کے لئے سنت کا مأخذ (source) ایک ہی ہے، ان کی کتب حدیث ایک ہی ہیں، جس میں بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب نہیں ہیں۔ ان کا استدلال ہو گا تو وہیں سے ہو گا۔ گویا ان کا "frame of reference" ایک ہی ہے۔ اس اقتدار سے ان کے مابین جو بھی اختلافات ہیں وہ فروغی ہیں، اصولی نہیں۔ اگرچہ پاکستان میں ختنی اور ال حدیث کے مابین بھی کافی چیقلش پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ شافعی، مالکی اور حلیلی تو یہاں پر نہ ہونے کے بر ایر ہیں۔ غالب اکثریت اختلاف کی ہے، لیکن سلفی یا ال حدیث حضرات اقلیت میں ہونے کے باوجود غایسے فعل ہیں، اور چوکے کئی یہ رونی حکومتیں ان کی مددگار اور پشت پناہ ہیں، اس لئے ان کی حیثیت اپنے اصل سائز سے زیادہ بڑی ہو گئی ہے۔ بہر حال جماں تک میرا اپنا موقف ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان بھی قطعاً کوئی بیادی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ جو بھی مأخذ سنت ہے وہ ان دونوں کا مشترک ہے۔

تفہم سے پچھے کا قرآنی لائجہ عمل

اس اعتبار سے میں یہاں پر موجوہ بالا تین آیتوں میں سے آخری آیت

(الشوریٰ : ۱۵) کا حوالہ دے رہا ہوں جن میں صحیح لا تجھ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے :

فَلِذِلِكَ فَادْعُ وَاشْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَيَّعْ أَهْوَاءَ هُنْ
”پس (اے نبی) اسی کی دعوت دیتے رہئے اور ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپؐ کو
حکم دیا گیا، اور ان کی خواہشات کی بیرونی مت کیجئے۔“

یعنی تمہیں اس کی دعوت دیئے چلے جانا ہے کہ دین کو قائم کرو۔ ”ذلیک“ کا اشارہ ”آن
آقِیمُوا الدِّینَ وَلَا تَنْفَرُ قُوَّافِیْهِ“ کی طرف ہے، یعنی ”دین کو قائم کرو اور اس میں
تفہم نہ ڈالوا“

وَقُلْ أَمْنِتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ
”اور کہہ دیجئے کہ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل کی ہے۔“

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ
”اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں۔“

اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

”اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

آپس میں اختلافات کے حل کے لئے یہاں بہترین فارمولہ دیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی حنفی، شافعی
یا مالکی فقہ میں کوئی اختلاف ہے تو کیا ہوا۔ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ہمارا اور تمہارا رب ایک
ہے یا نہیں؟

لَنَا أَعْدَمُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ

”ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال“

نمازوں میں رفع یہ دین کرنا ہے یا نہیں کرنا، ہاتھ چھوڑ کر نمازوں پڑھنی ہے یا باندھ کر، ان معاملات
میں کیوں جگہڑا کرتے ہو؟

لَا حَجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

”اس میں ہمارے تمہارے مابین کسی جدت بازی کی ضرورت نہیں۔“

اللَّهُ يَحْمِلُ بَيْنَ أَرْبَعَةِ أَكْثَرٍ ۝

”اللہ ہی ہمارے مابین جمعیت پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“

اللہ کرے کہ وہ جمعیت اسی دنیا میں پیدا ہو جائے، وہ اتحاد اور اتفاق ہو جائے، اور اگر یہ چیز نہیں ہوگی تب بھی اللہ کے حضور جا کر تو کھڑے ہونا ہے۔ وہاں دودوہ کا دودوہ پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔

شیعہ سُنی مفہومت کی اساس

اب میں اس سے آگے بڑھ رہا ہوں کہ الٰی تشیع کے ساتھ معاملے میں اس سے ذرا مختلف صورت کیا ہے۔ جہاں تک ”کتابُ اللہ“ کا تعلق ہے تو اگرچہ الٰی سنت کو الٰی تشیع کے بارے میں یہ شکوک و شبہات ہیں کہ وہ قرآن کو بھی صحیح نہیں مانتے، ان کی بعض کتابوں سے اس کے حوالے بھی دیجے گئے ہیں اور مولانا محمد منظور نعمنی نے اسی موضوع پر بڑی مفصل کتاب لکھی ہے، لیکن الٰی تشیع کا عمومی موقف یہ ہے کہ نہیں، ہم اسی کتاب کو برحق مانتے ہیں۔ اور ہمیں ظاہریات ہے کہ ان کا وہی موقف درست تسلیم کرنا چاہئے جو ان کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ چنانچہ ”کتاب“ ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ان کے ہاں شاید کچھ غالی حضرات ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا، جو دراصل ترتیب نزولی کے اعتبار سے تھا۔ ہمارے ہاں بھی اس کی روایات موجود ہیں۔ میرے نزیک حضرت علیؑ کا یہ کام مخفی ایک علمی دلچسپی کے طور پر تھا۔ بہت سے علماء نے بھی ایسی کوششیں کی ہیں کہ قرآن کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے۔ ایک زمانے میں خود میں بھی یہ کوشش کرتا رہا ہوں۔ یہ ایک علمی اور آکیڈمیک ایکسپرسائز ہے کہ معلوم ہو کہ پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں، ان کے بعد کوئی آیات اور کون سی سورتیں اور پھر ان کے بعد کوئی۔ بعض اگریزی تراجم بھی اس طور سے شائع ہوئے ہیں کہ وہ مصحف کی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ اس ترتیب سے ہیں جو ان کے متربعین کے خیال میں نزولی ترتیب ہے۔ ویسے یہ چیزیں متفق علیہ نہیں ہیں بلکہ ان

میں اختلافات ہیں۔ بہر حال حضرت علیؓ کے بارے میں یہ خیال موجود ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا، جو ایک علیٰ بات تھی۔ لیکن جو وگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصل قرآن وہی تھا ان کے عقیدے کے مطابق وہ اصل قرآن اب دنیا میں کہیں نہیں ہے اور اس کا نسخہ صرف ان کے امام غائب کے پاس ہے جو روپو ش ہیں، اور وہ جب ظاہر ہوں گے تو اسے لے کر آئیں گے۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کے پاس بھی اس قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ اور وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اُس وقت تک یہی مصحفِ عثمانؓ ہی قرآن ہے۔ تو ہمیں اُنہی کے موقف پر بات طے کرنی چاہئے، باقی غالی قسم کے واعظین جو باشیں کہتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر عکفیر کے تبرچلاتے رہتے ہیں ان کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ یہ چیزِ غالی واعظین اور نہ ہمیں پیشہ ور قسم کے لوگوں کے اندر ہوتی ہی ہیں۔ الیٰ تشیع کا معتقد موقف بسراں یہی ہے کہ ہم اسی قرآن کو تسلیم کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ قرآن بھی اگر کہیں دنیا میں پھر ظاہر ہو تو وہ بھی، سو اسے ترتیبِ نزولی کے بعینہ بھی قرآن ہو گا، اس میں کسی آیت کی کسی بیشی ہرگز نہیں ہو گی۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم پر تذیر کی غرض سے اس کی آیات کو ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ترتیبِ نزولی اگرچہ آج ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن ان کے علم میں تو تھی، ان کی آنکھوں کے سامنے پورا قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ اگر انہوں نے اس اعتبار سے کوئی نسخہ مرتب کیا ہو اور اگر کبھی وہ ظاہر بھی ہو گیا تو ہمیں بھی قرآن کی صحیح ترتیبِ نزولی معلوم ہو جائے گی، لیکن یہ ایک محض علیٰ یا نظری بات ہے اور بالفعل چونکہ وہ بھی اسی کو قرآن مانتے ہیں، لذا یہی ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔

البتہ جہاں تک حدیث کا معاملہ ہے ان کے اپنے مجموعے میں، لذا یہاں آکر فرق واقع ہو جاتا ہے اور اختلاف گرا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی تفرقہ نہیں ہے، کیونکہ تفرقہ تو تب ہو گا جب سنت کا انکار کیا جائے اور رسول ﷺ کی نبوت کی محرکو توڑا جائے۔ البتہ یہاں اختلاف نہیں زیادہ گرا ہے اس اختلاف کی نسبت جو خفیوں اور شافعیوں یا مالکیہ اور حنبلہ کے مابین ہے یا الحدیث اور احناف کے مابین ہے۔ اس لئے کہ جب کسی مسئلہ پر

ننگلو ہو گی اور استدلال کا معاملہ ہو گا تو دونوں جانب سے حدیثیں پیش کی جائیں گی، تو جو حدیثیں شیعہ پیش کریں گے وہ اہل سنت کے نزدیک معتبر نہیں ہوں گی اور جو حدیثیں اہل سنت کے نزدیک معتبر اور معتمد علیہ ہیں وہ اہل تشیع کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ لہذا صرف اس درجے میں یہاں اختلاف گرا ہے، تفرقہ پھر بھی نہیں ہے۔ اس حوالے سے، جیسا کہ میں نے عرض کیا، دین پھر بھی ایک رہا۔ اس لئے کہ دین نام ہے اللہ کی حاکیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا۔

اس حوالے سے آج ہمیں وہی بات شیعوں اور سینوں سے کہنی چاہئے جو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے طفیل پیرائے میں یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳۰ ہے، جو پلے پارے کی آخری سے پہلی آیت ہے:

آمَّ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ رَأَى سَمْعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى فُلُءَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمَّ اللَّهُ
(تم) جو یہودیت اور نصرانیت نے پھرتے ہو تو (کیا تمہارا یہ قول ہے کہ ابراہیم،
اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ (اے نبی) کہ
دیجھے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے؟“

بالکل اسی حوالے سے سمجھئے کہ ”مَحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ“ شیعہ تھے یا سن تھے؟ ابو بکرؓ سنی تھے یا شیعہ؟ علیؑ شیعہ تھے یا سنی تھے؟ توحید اور رسالت پر جمع ہو کر یہ سارے تفرقہ ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اس ایک بات میں سارے اختلافات کا حل ہے۔ یہی بات آگے چل کر سورۃ آل عمران میں فرمائی گئی:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصَارَيِّا وَلِكِنْ كَانَ حَنِيفًا
مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (آیت ۶۷)

”دیکھو، ہوش کے ناخن لو ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ وہ تو یکسو تھے، اللہ کے اطاعت گزار (حاکیتِ اللہ کے سامنے سرتیلم خم کر دینے والے) اور وہ مشرک نہیں تھے۔“

مشرک تو وہ ہے جو اللہ کی اطاعت سے سرتباں کر رہا ہے، جس نے کسی اور کو الہ بنا لیا ہے، جو اللہ کی حاکیت سے انحراف کر رہا ہے، خود حاکم ہا بیٹھا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم مانے

ہوئے ہے۔ اللہ کی حاکیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اصول اگر تسلیم کیا جائے اب تفرقہ نہیں رہا، اختلاف ہے۔ البتہ اختلاف اہل سنت کے مختلف مالک اور مذاہب کے درمیان نہیں کہ ہے اور اہل تشیع کے ساتھ اہل سنت کا اختلاف نہیں کہ رہا ہے۔

مسئلے کی اہمیت۔ چار پہلو

والی یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ مجھے اس کا حل بھی پیش کرنا ہے، لیکن اس سے پہلے میں اس مسئلے کی اہمیت آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں اور اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ اس کی اہمیت کے چار پہلو یا ابعاد (dimensions) ہیں یہ لفظ میں خاص طور پر "4-dimensional space" یعنی "ابعاد اربعہ" کے تصور کے اعتبار سے استعمال کر رہا ہوں۔ اس کے تین ابعاد تو سب کو نظر آتے ہیں، لیکن چوتھا غیر مرئی (invisible) ہے۔ یہ فرکس کا مسئلہ ہے۔ ایک کرے کی تین dimensions کو اس کی اوپنچائی لیبائی (represent) کرنے والے تینوں خطوط ایک دوسرے پر زاویہ قائمہ بناتے ہیں (ایک کونے پر) وہاں ان کو کرنے والے تینوں خطوط ایک دوسرے پر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔ آئن شائن کے نظریے کے بعد سائنس کی دنیا میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ

"Time is also the 4th dimension of the space"

چنانچہ وقت کو مکان (space) کے ایسے بُعدِ رابع (4th dimension) کی حیثیت حاصل ہے جو نظر نہیں آتا اور نہ صرف نظر نہیں آتا بلکہ قابل تصور (imaginable) بھی نہیں ہے۔ لیکن علم ریاضیات یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ dimension موجود ہے اور یہ ایک ایسے خط مستقیم سے represent کی جاتی ہے جو ان تینوں کے ساتھ زاویہ قائمہ بنتا ہے، جو ظاہر ہے کہ ہمارے تصور کے اعتبار سے ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں خطوط کے ساتھ چوتھا خط ان میں سے دو کے ساتھ 90° کا زاویہ بنائے گا تو تیرے کے ساتھ 180° کا زاویہ بنائے گا، لیکن "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے" کے جماعے کہنا پڑے گا کہ "ہر چند کہیں کہ نہیں ہے، ہے"۔ یہ ہے ریاضیات کا ایک جدید مسئلہ جس کا میں نے صرف حوالہ دیا ہے کہ "ابعاد اربعہ" میں سے تین مرئی اور ایک غیر مرئی ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلے کی چوتھی

اصل اہمیت کی طالب ہے لیکن اس کے بارے میں بعد میں بات کی جائے گی۔ پہلے میں اس مسئلے کے "ابعاد ملاش" (dimensions) (3-dimensions) بیان کرتا ہوں :

۱۔ دہشت گردی اور تحریب کاری کی کمین گاہ

اس مسئلے کی اہمیت کا بعید اول یا اس کی پہلی جست یہ ہے کہ اس وقت ملک میں دہشت گردی اور تحریب کاری نے شیعہ سُنی اختلاف کو ایک اہم کمین گاہ اور ڈھال (cover) کے طور پر استعمال کیا ہے اور میں صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ داخلی نہیں ہے بلکہ اس کے ڈانڈے باہر ہیں۔ شاید آج یا کل کے اخبار میں برطانیہ سے یہ خبر تھی کہ وہاں سے کافی عرصے سے عالم اسلام میں مبلغین بھیجے جا رہے ہیں تاکہ شیعہ سُنی اختلافات کو ابھارا جاسکے اور یہ میں آپ کو اسی مقام پر امریکہ جانے سے پہلے بتا چکا تھا کہ جو اس وقت امریکہ کا بہت بڑا سیاسی مبصر اور مشیر Samuel P. Huntington ہے، اس کے ایک بہت بڑے مقامے "Clash of Civilizations" کا اس وقت دنیا میں بڑا چرچا ہے۔ اس کے نزدیک اب دنیا میں قوموں اور ملکوں کا ٹکراؤ نہیں ہو گا بلکہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو گا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں آٹھ تہذیبوں موجود ہیں، ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری۔ لیکن ان سات میں سے پانچ کو تو ہم آسانی سے اپنے اندر سوکتے ہیں اور انہیں ہضم کر سکتے ہیں، لیکن دو تہذیبوں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے لو ہے کے پنچتہابت ہوں گی جنہیں چبانا آسان نہیں۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری کنفیوشنیں تہذیب جس کی نمائندگی اس وقت چین کر رہا ہے۔ لذا اس نے دو مشورے دیئے ہیں۔۔۔۔۔ ایک یہ کہ چین اور اسلامی ملکوں کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ یہ وجہ ہے کہ ایشیا میسیک (بحر الکمال) کا نفرنس منعقد کی گئی تاکہ چین کو eastward looking کر دیا جائے کہ وہ صرف اپنے مشرق کی طرف دیکھے اور مغرب کی طرف رخ نہ کرے جائے۔ اور دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ایک اقتصادی سے یہ ان لوگوں کی جرأت اور دیانت کا مظہر بھی ہے کہ بات صاف اور کھل کر رہے ہیں، اپنے تاش کے سارے پتے سامنے رکھ دیئے ہیں کہ تمہارے اندر

اگر ہست ہے تو راستہ روک لواچنا نچہ یہ اس کا مقالہ ہے جو چھپا ہوا ہے۔ اور اب سوچنے کہ ان خطوط پر کیا کچھ ہو رہا ہو گا۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعہ شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینے کا معاملہ اس مسئلے کا ہست برداپ ہلو ہے۔ اور میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی نوعیت محض اندر ونی نہیں ہے، بلکہ اس کے بیرونی ڈانڈے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

خاص طور پر جہاں تک کراچی کا تعلق ہے وہاں اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے ایم کیوائیم کے دودھڑوں (الاطاف گروپ اور حقیقی گروپ) کا آپس میں تصادم۔ شیعہ سنی اختلاف کے علاوہ یہ دوسرا پہلو ہے جس کی آڑ میں تخریب کاری ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ نہ کچھ تصادم فی الواقع بھی ہے، جس طرح شیعہ سنی چپلش بھی کچھ نہ کچھ فی الواقع بھی موجود ہے، اس کی نفع کون کرے گا۔ بہر حال کوئی شے موجود ہوتی ہے تو اسی کو دشمن آڑ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے، اگر کوئی شے موجود ہی نہ ہو تو اسے آڑیاڑ عال کیسے بنایا جاسکتا ہے۔

کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
چنانچہ کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہے، تمہی بات بنتی ہے۔ اسی طرح حقیقی اور الاطاف گروپ کے اختلاف کا معاملہ ہے۔
بہر حال اگر کسی درجے میں شیعہ سُنی مقابہ کا کچھ معاملہ ہو جائے تو دشمن کی کم از کم ایک کمین گاہ تو ختم ہو جائے گی۔

آپ جانتے ہوں گے کہ جب سلطان محمد فاتح کی فوجیں قسطنطینیہ کا حاصرہ کئے کھڑی تھیں تو ایسا صوفیہ کے گرجامیں پادری آپس میں لڑ رہے تھے اور ان کے مابین ان سائل پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آکتے ہیں اور حضرت عیسیٰ نے جو روٹی کھائی تھی وہ خیری تھی یا فلیری؟ اور یہ کہ حضرت مریم، حضرت عیسیٰ کی ولادت کے بعد بھی کنواری رہیں یا نہیں؟ یہ تین "عظیم الشان" سائل تھے جو اندر زیر بحث تھے اور باہر سلطان محمد فاتح کی فوجیں کھڑی تھیں۔ اور یہی حشر ہمارا ہوا تھا، جب انگریز ہندوستان

میں قدم پقدم آگے بڑھ رہا تھا تو ہمارے ہاں یہ بھیش چل رہی تھیں کہ اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بول سکتا تو ہر شے پر قادر تو نہ ہو اور اگر بول سکتا ہے تو یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ پھر یہ کہ اللہ خود بھی کوئی دوسرا محمد پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اُس وقت مسلمانوں کے چونی کے علماء ”امکانِ کذب“ اور ”انتہائِ نظیر“ کی ان بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور انگریز بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہی حال آج ہمارا ہو رہا ہے کہ فرقوں کو لئے بیٹھے رہو، اپنی انسانیت کو لئے بیٹھے رہو لیکن ملکِ ثواب ہے تو نہیں دوا

۳۔ نفاذِ اسلام کی راہ کی ایک اہم رکاوٹ

دو سراپلو (2nd Dimension) یہ کہ جو کچھ آج پاکستان کے اندر ہو رہا ہے اس کا فائل تجویہ جو میں بارہا آپ کے سامنے پیش کرچکا ہوں، اسے اختصار کے ساتھ پھر بیان کر رہا ہوں۔ پاکستان کے لئے صرف احکام کی واحد بنیاد تھی نہیں بلکہ اس کی بنا کی وجہ جواز بھی اسلام ہے۔ اگر یہاں اسلام نہیں آتا تو اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اور یہاں یہ سب کچھ افراحتی، لوٹ کھوٹ، بد امنی اور عدم احکام اسی لئے ہے کہ ہم نے اس کی واحد وجہ جواز ہی کو ملکوں کو بنا دیا ہے۔ نتیجتاً یہ عذابِ اللہ کے کوڑے ہیں جو ہماری پیٹھ پر پڑتے ہیں۔ قری حساب سے قیام پاکستان کو ۲۵ برس پورے ہونے پر ۱۹۷۴ء میں ہم پر پلاکوڑا بر سا جب ملکِ دلخت ہوا۔ اور اب دوسرے ۲۵ برس ہونے میں صرف ایک برس باقی رہ گیا ہے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے ملی تو غائب نہیں ہو جائے گی۔۔۔ اور اس ساری تیچیدگی کا واحد حل یہی ہے کہ یہاں اسلام آئے۔

یہاں اسلام اب تک کیوں نہیں آیا، اس کے دو بڑے بڑے سبب ہیں۔ ان میں سے ایک سبب جو میں بارہا بیان بھی کرچکا ہوں وہ دنیٰ جماعتوں کی یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں اتر کر پا اور پالیکس کے کھیل میں شریک ہو گئیں، انہیں اقتدار کی غلام گروشوں کے اندر چلنے پھرنے اور وہ آئی پی ٹریمٹمنٹ کے چکے پڑ گئے اور یہی شے تھی جو پیرہ غرق کرنے والی تھی۔ اس وقت میں اس کی مزید کوئی تفصیل بیان نہیں کروں گا، یہ میرا وہ موقف ہے جو میں بارہا تفصیل سے بیان کرچکا ہوں۔ اس کے علاوہ اس کا

دوسرے سب شیعہ سنی اختلاف ہے جو واقعیت بدل اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی نویعت ختنی مالکی، شافعی اے اختلاف کی نہیں ہے، کیونکہ شیعہ اور سُنّتی کے نزدیک سُنت رسول کے مأخذ جدا جد اپنی، جبکہ دین کی عملی شکل تو سُنت ہی سے سامنے آتی ہے طریقہ "بمصنفوں بر سار خوش را کہ دین ہے اوس تھا"

تو یہ اس مسئلہ کی دوسری dimension (جہت) ہے۔ چنانچہ اگر ہم شیعہ سُنّتی مفہومت کی کوئی راہ تلاش کر لیں تو اس سے ایک تو اس ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی ایک اہم کمین گاہ ختم ہو سکتی ہے اور پورے ملک کی سطح پر اہم ترین کمین گاہ یہی ہے، البتہ کراچی میں ایک دوسری کمین گاہ بھی ہے جس کا نام ذکر میں کرچکا ہوں۔ اللہ کرے کہ ہمارے سیاست دانوں کو عقل آجائے، ان لوگوں کو سمجھ آجائے جن کے ہاتھوں میں "تقدیر حتا" تحری ہے۔

رنگیں گل کا ہے سیپی، نہ بماروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حتا تحری ہے

اللہ تعالیٰ آن لوگوں کے دلوں کو صحیح راستے کی طرف پھیر دے اور انہیں اپنی سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر اس ملک کی سالمیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمت عطا کر دے۔ بہرحال شیعہ سنی مفہومت کا معاملہ بھی اس سے کم اہم نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی شیعہ سنی اتحاد ہو جائے، مفہومت کی کوئی صورت بن جائے تو اس ملک میں اسلام کے فنازیکی طرف یہ ایک بست بدل Break through ہو گا اور اس سے اتنی بڑی پیش رفت ہو گی کہ پھر اس سمت میں آگے چلانا بہت آسان ہو گا۔

۳۔ نیوورلڈ آرڈر کی یلغار

اب میں اس مسئلہ کے تیرے پہلو (3rd dimension) کی طرف آتا ہوں۔ اس کو بھی میں بڑی تفصیل سے تحریروں تقریروں میں بیان کرچکا ہوں اور اس موضوع پر میری کتاب بھی "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا مضائقہ، حال اور مستقبل" کے نام سے منصہ شود پر آچکی ہے۔ یہ تیرا پہلو نیوورلڈ آرڈر کی یلغار سے متصل ہے۔ اس یلغار کا انداز بھی

ہمارے سامنے آپ کا ہے کہ یہ نیورلڈ آرڈر حقیقت میں جیوورلڈ آرڈر ہے۔
 چنانچہ حال ہی میں کراچی کی ایک اہم سیاسی شخصیت نے یہاں آگر جو باشیں کہیں وہ
 میرے علم میں کل کے روز نامہ پاکستان سے آئی ہیں۔ میں تو یہاں تھا نہیں، انہوں نے یہاں
 ایک تقریب میں آگریہ باتیں کی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہودی سازش میں یہ جیزٹے پا
 چکی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے مکملے کردیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ ”زلہ بر
 عضوٰ ضعیف“ کے مصداق پسلے پاکستان کی باری ہے۔ ہم نے خود اس کے لئے میدان تیار کر
 رکھے ہیں کہ آؤ کھیلو اور کودوا میرے علم میں یہ بات پسلے سے ہے اور بہت سے لوگوں کے
 ذریعے یہ بات سامنے آچکی ہے، لیکن میں یہ باتیں اس لئے بیان نہیں کرتا کہ میرے
 نزدیک ان کی حیثیت غیر مصدقہ اور سنی سنائی باتوں کی تھی۔ اب ایک اہم سیاست دان نے
 یہ بات کہی ہے تو میں اس کے حوالے سے اسے بیان کر رہا ہوں، بلکہ میں تو اس سے بھی
 آگے عرض کرتا ہوں کہ یہودیوں کے سامنے امریکہ کے بھی ہے۔ بغیرے کرنے کا پروگرام
 ہے اور وہ اس کے مکملے کر کے رہیں گے۔ وہ اس کو اُس وقت تک استعمال کرتے رہیں
 گے جب تک وہ استعمال ہوتا رہا، اور کسی وقت بھی اگر امریکہ نے ان کی سیکم کے آگے بند
 باندھنے کی کوشش کی تو جس طرح انہوں نے چشم زدن میں USSR کو دنیا میں نیا منیا کر
 دیا، اسی طرح وہ USA کے بھی مکملے کر دیں گے، اس لئے کہ پوری معیشت کے لیے پر
 ان کا ہاتھ ہے۔ لذ ا ان کی طرف سے ایک حرکت ہو گی، شیئر مارکیٹ کے اندر ایک زلزلہ
 آئے گا اور امریکہ کی دھیان بکھر جائیں گی۔ امریکہ سے زیادہ کمزور (Fragile) معیشت
 تو دنیا کے کسی دوسرے ملک کی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقروض حکومت امریکہ
 کی ہے اور اس کے قرض خواہ یہودی بینکار ہیں۔ اور وہاں کے بینک حکومت کی تحولیں میں
 یا حکومت کے زیر اثر نہیں ہیں بلکہ آزاد اور حکومت سے بالاتر ہیں، لذ ا یہودی جب چاہیں
 امریکہ کو توڑ سکتے ہیں۔ تو اس ”جیوورلڈ آرڈر“ کے بارے میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

کبھی مغرب سے ایک سیالاب نو آبادیاتی نظام کا آیا تھا، لیکن اس کا آغاز مشرق بعید سے
 ہوا تھا۔ چنانچہ یہ سیالاب پسلے جاؤ، ملڑا، اعڑو نیشا، ملا کشیا اور ہندوستان کو اپنی زدیں لے کر
 پھر شرقِ اوسط کی طرف گیا تھا۔ لیکن اس وقت نیورلڈ آرڈر کا جو سیالاب آیا ہے اس نے

سب سے پہلے عالم عرب کو اپنے فکر میں کس لیا ہے، چنانچہ اب عالم عرب تو یہودیوں کی مٹھی میں ہے۔ اب تو وہاں پر ایک آنکاک بلاک بنے گا اور یورپ کی طرح کی ایک مشترکہ مارکیٹ وجود میں آئے گی، جس میں سرمایہ اور محنت عربوں کی جانب سے ہو گی اور تکنیکی مہارت (Know How)، انتظام و انصرام اور سیکنالوجی یہودیوں کی ہو گی۔ اس طرح ملائی یہودی کھانے گا اور تلچھت عربوں کے حصے میں آئے گی۔ یہودیوں کی کے پیش نظری ہے کہ وہ صرف عالمی مالیاتی نظام قائم کر کے اپنی عالمی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں کی حیثیت ڈھورڈ گکروں کی ہے، ہمکوڑوں اور گدھوں کی ہے، جن کا کام ان کی خاطر محنت اور کوشش کرنا ہے تاکہ ان کی کمائی کا بہترین حصہ انہیں حاصل ہوتا ہے۔ باقی جس طرح گھوڑے کو کام کے قابل رکھنے کے لئے دانہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے، اسی درجے میں ان لوگوں کو بھی کھانا تو فراہم کیا جائے، البتہ آئیم ایف اور ولڈ بینک کے ذریعے سے اس عالمی مالیاتی نظام کی ساری ملائی ان کے پاس پہنچتی رہے۔ اللہ اللہ، خیر سلا۔ برادر است اپنی حکومت قائم کر کے انہیں کیا لیتا ہے؟

اس شمن میں مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں کے درمیان اب صرف ایک اختلاف باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ مذہبی (Practicing) یہودی دریائے نیل سے دریائے فرات تک عظیم ترا سرائیل قائم کرنے پر مصروف ہیں اور باقی پوری دنیا پر صرف معاشر اور مالیاتی سلط قائم کرنا چاہتے ہیں، جبکہ سیکولر یہودی (Zionists) انہیں کسی طریقے سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے! اپنی حکومت قائم کر کے یہی کچھ کرو گے ناکر لگان لو گے، میکس و صول کرو گے۔ اور اگر اس کے بغیر ہی تمیں سب کچھ ملتا چلا جائے تو حکومت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اجد، جاہل، گتوار جن کے پاس تیل اور سرمایہ موجود ہے، ذہنی و فکری صلاحیتوں سے عاری ہیں، ان کے پاس علم ہے نہ سیکنالوجی، نہ انہیں تنظیمی و انتظامی امور کا کچھ سلیقہ حاصل ہے، جبکہ ہمارے پاس یہ سب کچھ ہے، چنانچہ محنت یہ لوگ کریں گے اور کھائیں گے ہم۔ تو یہ اختلاف ہے جو اس وقت یہودیوں کے مابین پایا جاتا ہے۔ اسرائیل میں یہودیوں کا بوطقدہ اقتدار پر قابض ہے وہ یہی

چاہتا ہے کہ دنیا پر ہمارا معاشری تسلط مضبوط تر ہو جائے اور ہم یہاں پیشے دنیا بھر کی معيشت کی ملائی کھاتے رہیں۔

اس نیورالڈ آرڈر یا جیورالڈ آرڈر کے آگے اب جو "آخری چٹان" باقی رہ گئی ہے وہ پاکستان، ایران، افغانستان اور چینی و روی ترکستان پر مشتمل مسلمان ممالک گاہی بلاک ہے۔ اگر نقشے پر دیکھیں تو ان ممالک کے عین قلب میں افغانستان واقع ہے، جس کے جنوب میں بلوجستان، مشرق میں پاکستان کا بقیہ حصہ، مغرب میں ایران اور شمال میں ترکستان کے مختلف ممالک و ستارے کی مانند نظر آتے ہیں۔ یہ "آخری چٹان" ہے جو یہود کے اس نیورالڈ آرڈر کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد تو مسلمان ممالک میں سے بغلہ دیش اور انڈونیشیا وغیرہ باقی رہ جاتے ہیں جو مشرقِ عبید سے متعلق ہیں، درمیان میں بھارت کا بہت بڑا رقبہ آ جاتا ہے جہاں اگرچہ مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں لیکن وہ وہاں پر مقنوم اور مجبور ہیں اور ان کی وہاں پر سیاسی سطح پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہذا اس اخبار سے اہم ترین حیثیت اسی بلاک کی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس بلاک میں شیعہ سنی تازعہ سب مسائل سے زیادہ سخت اور غصہ ببری ہے۔

ان تمام ممالک میں صرف ایک ملک ایران ایسا ہے جس نے اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت کی ہے اور اس مسئلے کا کوئی حل نکالا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مذہبی تصورات و عقائد اور اپنی فقہ کے مطابق ایک مذہبی نظام قائم کیا ہے اور اس حوالے سے میں نے بارہا کہا ہے کہ ایران نے ہمیں روشنی دکھائی ہے، راجہنما فراہم کی ہے، جبکہ پوری "سنی دنیا" میں پڑی ہوئی ہے اور ہمیں کہیں بھی اپنا نظام قائم کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ایرانیوں نے انقلاب برپا کیا اور اپنی سر زمین سے امریکی استبداد کا سب سے مضبوط کھوٹا ایسے اکھاڑا پھینکا کر شہنشاہ آریا ہمروہاں سے بھاگتے تھی اور یہ سب کچھ ایسے ہی نہیں ہو گایا بلکہ اس کے لئے خون دیا گیا، ہزاروں کی تعداد میں جانیں دی گئیں۔ اور ماننا پڑے گا کہ یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہمیں ایک اور بہت بڑی روشنی دکھائی ہے اور وہ یہ کہ آج مسلم بغاوت نہیں بلکہ غیر مسلم بغاوت سے کام چلے گا اور انہوں نے اس کی مثال قائم کر کے دکھائی ہے۔ میں نے "منجع انقلاب نبوی" میں اس کو یہی شہ پیش کیا ہے کہ آج

انقلاب کا مفہوم مسلح بغاوت سے نہیں ہو گا، آج عوام نتے ہیں جبکہ حکومتیں اپنے اپنے ہاں کے نظام کے مل بوتے پر قائم ہیں۔ کمیں جاگیرداری نظام کی حکومت ہے تو کمیں سرمایہ دارانہ نظام کی۔ اگر کمیں بادشاہت ہے تو بادشاہ کے پاس پوری طاقت اور اقتدار ہے۔ حکومتوں کے پاس فوجیں ہیں، ایز فورس ہے، نینک اور بواہی جہاز ہیں۔ ان کے مقابلے میں نتے عوام بغاوت کر کے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ لذہ آج مسلح بغاوت نہیں غیر مسلح بغاوت کی ضرورت ہے، جو ایرانیوں نے کر دکھائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایران نے شیعہ سنی مسئلہ کا بھی حل کر کے دکھایا ہے، جو میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس وقت آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ ہمارے ہاں پورے خطے میں پیوست ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کے آنھے گرد پ پاکستان نواز تھے اور وہ سنی تھے، جبکہ سات گروپ ایران نواز تھے اور وہ شیعہ تھے۔ اور آج بھی وہاں یہ شیعہ سنی مسئلہ چل رہا ہے۔ پاکستان میں تو شیعہ سنی آبادی اس طرح گھلی ہی ہوئی ہے کہ ایک ہی مکان میں یعنی شیعہ رہتا ہے تو اپر سنی، اور دوائیں سنی ہے تو باسیں شیعہ ہے۔ اس حوالے سے، واقعہ یہ کہ پاکستان میں اسلام کے فناذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے اور اگر اس مسئلہ کا کوئی حل نکل آتا ہے تو اس راستے کی ہماری یہ رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس طرح فناذ اسلام کے بعد یہاں اتحاد کی فضا قائم ہو گی اور اگر یہ اتحاد اور مفاہمت ہو جائے تو یہی خطہ وہ چٹان ہے جس سے نکل اکنسیور لڈ آرڈر پسپا ہو سکتا ہے۔ اور ابھی تو یہ غنیمت جانے کہ چین بھی ایک طاقت کی حیثیت سے موجود ہے، اگرچہ بد قسمی سے ہم امریکہ کے گھرے کی مچھلی بننے کی وجہ سے جدھر جا رہے ہیں، اس کے نتیجے میں چین کو دن بدن اپنے سے دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کوئی وجہ تو ہے کہ چین اب پاکستان کی نسبت بھارت سے قریب تر ہو رہا ہے۔ اگر کمیں کشمیر اور شمالی علاقہ جات پر امریکہ یا یو۔ این۔ او کا عمل دخل قائم ہو جاتا ہے تو یوں سمجھتے کہ چین کے ساتھ تو آپ کا تعلق منقطع ہو گیا، بلکہ پھر چین کے ساتھ آپ کی دشمنی ہو گی، کیونکہ پھر امریکہ یہاں سے پورے علاقے کو مانیز کرے گا اور چین پر بھی نگاہ رکھے گا۔ تو اس تیسری dimension کو اس حوالے سے بھی سمجھ لیجئے۔

بھر حال اگر شیعہ سُنی مفہوم ہوتے تو جائے تو :

- i) ہم یہاں پر دہشت گردی کا ایک بازو توڑکتے ہیں۔
- ii) پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد آسان ہوتی ہے۔
- iii) اس خطے کے مسلم بلاک کے اندر اتحاد اور یگانگت عمل میں آسٹنی ہے۔

پاکستان، افغانستان، ایران اور ترکستان پر مشتمل یہ بلاک بڑا سالڈ (Solid) بلاک ہے۔ (میں ترکی کو اس میں شامل نہیں کر رہا کیونکہ وہ تو تقریباً امریکہ کی جھوٹی ہی میں ہے اور اس کے امریکہ کا حلیف ہونے میں کوئی شک نہیں۔) اس خطے میں چینی ترکستان ابھی آزاد نہیں ہے، لیکن روایی ترکستان آزاد ہو چکا ہے جو ایک بہت بڑا علاقہ ہے اور اس کے پاس بڑے وسائل و ذرائع ہیں۔ اس پورے مسلم بلاک کے اندر اتحاد کی کوئی بنیاد ہوئی چاہئے، اور ہمارے مابین اسلام کے سوا کوئی اور قدر مشرک ہے ہی نہیں، لیکن اس قدر مشرک میں بھی شیعہ سنی تازعہ آڑے آ جاتا ہے۔ یہ مسئلہ افغانستان میں بھی گذمہ ہے اور پاکستان میں بھی۔ اس پورے علاقے میں شیعہ سنی مسئلہ ایک نمائیت اہم اور بنیادی مسئلے کی نیشیت سے موجود ہے۔ چنانچہ اگر اس مسئلے کو حل کر لیا جائے تو یہ نہ کو رہ بالا تین پہلوؤں پر مثبت انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔

شیعہ سُنی مسئلے کا واحد حل

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ میرے نزدیک اس کا حل وہی ہے جو ایران نے پیش کیا ہے اور اس میں وہ ہمیں روشنی فراہم کر چکا ہے۔ کاش کہ پاکستان میں اہل تشیع اس حل کو قبول کر لیں اور ہمیں حل یہ ہے کہ جہاں تک عقائد، عبادات، مساجد، فیملی لازم اور راثت کے قوانین وغیرہ کا تعلق ہے تو ان میں ہر ایک کو مکمل آزادی ہو کر وہ اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ملکی قوانین (Law of the Land) کے معاملے میں صرف اس فقہ کو نافذ کرنے کا اعلان کیا جائے جس کے مانندے والے اکثریت میں ہیں۔ عبادات میں، میں زکوٰۃ کو بھی شامل کر رہا ہوں۔ زکوٰۃ (معاذ اللہ) صرف کوئی نیکس نہیں ہے

بلکہ عبادت ہے۔ میں نے ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو علماء کونشن سے قبل فیاء الحق صاحب کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا زکوٰۃ آرڈینیشن واپس لے لیں۔ مسلمان زکوٰۃ پہلے بھی ادا کر رہے تھے پہلے مسلمان برادر راست دینی مدارس کو زکوٰۃ دیتے تھے۔ اب آپ نے ان سے وصول کر کے ان مدارس کو دینا شروع کر دیا۔ اس سے فائدہ کیا ہو؟ البتہ نقصان یہ ہوا ہے کہ آپ نے شیعہ سنی کی تفہیق کر دی۔ میں نے ان سے کہا کہ چونکہ یہ عبادات کا معاملہ ہے اللذا خدا کے لئے اسے چھوڑ دیجئے۔ نماز کے معاملے میں آپ کسی سے یہ پابندی نہیں کرو سکتے کہ وہ ہاتھ باندھ کر پڑھے یا کھول کر، اور اگر باندھے تو ناف پر باندھے یا سینے پر، یا یہ کہ وہ رفع یہیں کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح روزہ پانچ منٹ پہلے اظفار کیا جائے یا بعد میں۔ عبادات کا معاملہ ہر ایک پر چھوڑ دیجئے کہ وہ جس طرح چاہے کرے، یہ ایک طرح کا افرادی معاملہ ہے۔ لیکن جماں تک ملکی قانون (Law of the Land) کا معاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ملک میں دو نہیں ہو سکتے، حدود و تعزیرات سب کے لئے الگ الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لئے ہمیں ایران سے راجہمانی حاصل کرنی چاہئے۔ وہاں یہ کیا گیا ہے کہ ایران کے دستور میں طے کر دیا گیا کہ ان معاملات میں اکثریت کی فقہ یعنی فقہ جعفری کے مطابق معاملہ ہو گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی حل ہے بھی نہیں۔ یا تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمیں اسلام کی طرف جانا ہی نہیں، دین کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دو، ہمیں تو اپنی فقہ زیادہ پسند ہے۔۔۔ لیکن اگر دین کو اولیت حاصل ہے اور آپ ”لَا تَتَفَرَّقُوا فِيمَا“ کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں کہ دین ایک ہو تو پھر اپنی قسموں اور اپنے مذاہب و ممالک کو ثانوی درجہ دیجئے۔ یہی کچھ انہوں نے کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا یہی حل ہے۔ چنانچہ پاکستان کے دستور میں یا تو یہ طے ہو جائے کہ یہاں فقہ حنفی کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہو گی کیونکہ یہاں غالب اکثریت احتجاف کی ہے، تاہم اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو فقہ حنفی آج سے کتنی سو سال پہلے مرتب کی گئی تھی وہ جوں کی توں نافذ کر دی جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب جو اجتہاد ہو گا اور جو قانون سازی ہو گی وہ فقہ حنفی کے اصول فقہ کے مطابق ہو گی۔ یعنی استنباط اور استدلال کے اصول وہی ہوں گے جو فقہ حنفی کے ہیں۔ اس موضوع پر بھی میں ”مستقبل کی

اسلامی ریاست" اور "نظام خلافت کا سیاسی و دستور ڈھانچہ" کے عنوان سے مفصل خطبات دے چکا ہوں جن کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ تو یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہ حنفی جوں کی توں نافذ ہو جائے گی بلکہ آپ کی ایک نئی مقتضیہ (Legislative) ہو گی جسے ہر میدان میں اجتناد کرنا ہو گا۔ طے یہ کرنا ہو گا کہ قانون سازی میں کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز نہیں ہو گا۔ اگر تجاوز ہوتا ہے تو ہر عالم دین کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ عدالت عالیہ کا دروازہ کھلکھلائے اور وہاں جا کر یہ ثابت کرے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے خلاف ہے۔۔۔۔۔ یا پھر ایسا ہو کہ یہاں پر کتاب و سنت کی سنی تعبیرات کو دستور میں ثبت کیا جائے اور فقہ حضریہ کو عبارات میں بشمل زکوٰۃ مکمل آزادی دے دی جائے۔ اگر وہ خود مان جائیں کہ ہم زکوٰۃ کا کوئی ایسا اجتماعی نظام بناتے ہیں کہ حکومت ہی وصول کرے تو کیا کہنے ہیں، چشم مارو شن دل ما شادا لیکن اگر وہ اس پر مصروف ہیں کہ زکوٰۃ کا معاملہ ان کا پر ٹسل رہے گا تو بھی صحیح ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ میں عبادت کا عصر زیادہ غالب ہے اور پر ٹسل لاء میں عبادات لازمی طور پر آتی ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، ان سب میں انہیں مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ پھر نکاح طلاق اور وراثت کے قوانین کے علاوہ پر ٹسل لاء میں جتنی چیزیں بھی آتی ہیں ان میں انہیں مکمل آزادی ہو۔

علماء کنوش میں شرکت کی دعوت اور زکوٰۃ آرڈینیشن

مرحوم ضیاء الحق صاحب نے ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کو پہلا علماء کنوش منعقد کیا تھا، جس میں شرکت کا مجھے دعوت نامہ موصول ہوا، لیکن چونکہ اسی تاریخ کو مجھے کراچی سے نبیارک روائہ ہو جانا تھا، لذا میں نے اس میں شرکت سے اپنی محدود ری ظاہر کی۔ چند روز بعد ضیاء الحق صاحب کافون آیا کہ اس سے دو روز قبل ۱۸/۱۸ اگست کو میں ایک اور میٹنگ بلا رہا ہوں جس میں ہم یہ طے کریں گے کہ اس علماء کنوش کو کیسے conduct کیا جائے، آپ اس میں تو آ جائیں۔ چنانچہ میں اس میٹنگ میں شریک ہوا۔ اُس وقت تک وہ اسلام آباد والا واقعہ پیش آ چکا تھا کہ اہل تشیع نے سول سیکریٹ کا گھیراؤ کر کے اپنے لئے زکوٰۃ کی کوئی سے استثناء حاصل کر لیا تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اہل تشیع نے اسلام آباد

میں قریباً ۵ ہزار کی تعداد میں جمع ہو کر رسول سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ حکومت کو دینے کو تیار نہیں۔ اُس وقت حکومت کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک راستہ تشدد کا تھا، یعنی لاٹھی چارج، آنسو گیس اور گولی جیسے ذرائع استعمال کئے جاتے۔ لیکن ضیاء الحق صاحب نے اس وقت تحمل کامظا ہرہ کیا جو بلاشبہ بڑی بات تھی، اُس نیں سخت کڑوی گولی نہ لگی پڑی تھی۔ اُس وقت وہ بقول خود ان کے ”مقدار مطلق“ (معاذ اللہ) چیف مارشل لاءِ ایڈ فلائر پرست تھے اور ان کا مارشل لاءِ بھی بھی جوان تھا، لیکن انہوں نے اس گھیراؤ کے آگے گھٹنے نیک دینے تھے اور اہل تشیع کا مطالبہ منظور کر لیا تھا۔ ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کی میلنگ میں میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا پورا آرڈیننس واپس لے لیجئے لیکن اس بنیاد پر شیعہ سنی کے درمیان تفریق نہ کیجئے۔ میں نے ان سے یہ الفاظ بھی کئے تھے (حالانکہ اس وقت کئی شیعہ حضرات موجود تھے) کہ اگر آپ یہ تفریق کریں گے تو گویا کہ بہت سے سینیوں کو شیعہ بننے کی ترغیب دیں گے۔ اور بعد میں ہمارے ہاں واقعتاً یہ ہوا ہے کہ پورے کے پورے گاؤں والوں نے اپنے ہاں سیاہ علم بلند کر دیئے ہاکہ گھر جمع کرنے والے ادھر کارخ نہ کریں۔ کتنے ہی لوگوں نے بیکوں کو لکھ کر دے دیا کہ وہ شیعہ ہیں تاکہ ان کی زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کیا کہ زکوٰۃ مسلمانوں کی عبادت ہے، اسے انہی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسے خود ہی ادا کریں۔ اس بنیاد پر آپ شیعہ سنی کی تفریق نہ کریں۔ لیکن بہر حال وہ ماننے والے تو تھے نہیں۔ ان کی جو اپنی مصلحتیں اور اپنی ترجیحات تھیں میں ان کا ذکر نہیں چھیڑ رہا تھا۔ تیلک اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ وہ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے، اللہ انہیں معاف فرمائے۔

زکوٰۃ۔ مصلحت و قوت کے تقاضے!

بہر حال قابل غور یہ سلسلہ ہے کہ اس وقت ہم دنیا کے سامنے ایک آئینہ میں اسلامی ریاست کا جو نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس میں سو شل سیکیو رٹی اور ہر شری کی بنیادی کفالت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسلامی ریاست میں ولیفیر کا جو نظام ہو گا اس کا سب سے بڑا ذریعہ زکوٰۃ ہی ہے۔ اور زکوٰۃ ایک طرف یقیناً عبادت ہے، اور کافیں اسلام میں شامل ہے

تو دوسری طرف یہ اسلام کے معاشری نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ اس اعتبار سے یہ ریاستی سطح ہی کی چیز ہے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ اس وقت فی الفور ایک آئینہ میں اسلامی ریاست موجود نہیں ہے اور ہم اس کی طرف ایک تدریجی ارتقاء کا مرحلہ طے کر رہے ہیں۔ اگر ہم انہی چیزوں کو لے کر بیٹھ گئے تو وہ مرحلہ آئے گاہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تو کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا کہ زکوٰۃ صرف نیکس نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ اگر یہ صرف ایک مالیاتی معاملہ ہوتا، صرف ایک نیکس ہوتا تو اس کی شرح گھٹائی بڑھائی جاسکتی تھی، جیسا کہ مکرین حدیث اور مکرین سنت کا موقف ہے۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ عبادت ہے، لہذا جیسے نماز کا نظام محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے متعین کر دیا اور اور وہ ابدی ہے، جس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی شرح بھی جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے متعین فرمادی اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ تو میرے نزدیک اس میں عبادت کا پہلو یقیناً غالب ہے لہذا اس وقت ہمیں اس کے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اس معاملے کو قبول کرنا چاہئے کہ نیکوں کے اپنے سوچل سیکیورٹی کے ادارے ہوں جماں ان کی زکوٰۃ جمع ہو اور سنی ہی وہاں سے استفادہ کریں۔ اہل تشیع کا زکوٰۃ کا نظام علیحدہ رہے۔ وہ اپنی زکوٰۃ کیں اور بھیجا چاہئے ہوں تو پھر اپنے ہاں کی سوچل سیکیورٹی اور ولیفیر کے لئے کوئی اور نیک اضافی طور پر دینا قبول کریں اور اپنا نظام بنائیں۔ لیکن بہر حال ہمیں اس طرح کی چیزوں پر غور کرنا پڑے گا، اس لئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر اٹھ ہے کہ اگر سنی شیعہ مفہومت نہیں ہوتی تو اس ملک میں نماز اسلام کا مرحلہ نہیں آئے گا۔ شیعہ یہاں پر کوئی ایسی اقلیت نہیں ہے جیسے آپ نظر انداز کر سکیں۔ ان کی اپنی ایک حیثیت ہے۔

علماء کنوش میں شرکت اور اطمینان خیال

جزل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ اس مینگ کے بعد جب میں واپس جا رہا تھا تو انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ پرسوں کنوش ہے، آپ اس میں بھی شریک ہو جائیں، میں اپنا فالکون بھیج دوں گا جو آپ کو کراچی پچھوڑ آئے گا۔ میں نے کہا کہ فالکون کے مقابلے میں میں بت چھوٹی ہے ہوں، البتہ کراچی سے میری فلاٹ چونکہ رات کی ہے لہذا میں کنوش میں

شرکت کے بعد یہاں سے شام کی فلاٹ سے کراچی چلا جاؤں گا۔ تو میں ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کے اس کونشن میں بھی شریک ہو گیا۔ وہاں مجھے اظہارِ خیال کے لئے جو موضوع دیا گیا وہ تھا ”اسلامی ریاست میں فقی خلافات کا حل“۔ وہاں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ آج ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہمارے یہاں جتنے بھی ممالک و مذاہب ہیں، انہیں ہم تسلیم کریں۔ آپ کتنا ہی چاہیں کہ اسلام میں مختلف ممالک نہیں ہونے چاہیں، سب ایک ہوں، لیکن عملًا ایسا ممکن نہیں ہے۔ ان ممالک کی بارہ بارہ سوا اور چودہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ سوچئے تو سماں کہ شیعہ سنی تاریخ کب سے شروع ہو رہی ہے؟ یہ میرے کہنے سے تو ختم نہیں ہو جائے گی، شیعہ ختم ہو جائیں گے نہ سنی ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح سے خفی، شافعی اور مالکی قسموں کی بارہ بارہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ یہ ختم ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ آپ ان کو باقی رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان کریجئے اور ہر مسلم کو کھلی آزادی دیجئے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہر مسلم کی رجڑیش کروائیے۔ مردم شاری میں ہر شخص تباۓ کہ اس کا تعلق کس مسلم کے ہے، تاکہ اگر کوئی فقی خلافہ پیش آئے تو اسے اس کے مسلم کے مطابق طے کیا جائے۔ ایک مسئلہ یہ بھی پیش آسکتا ہے کہ اگر شیعہ اور سنی باہم شادی کریں تو اس پر کس نفقہ کا اطلاق ہو گا۔ اہل تشیع کے ہاں ایک وقت میں دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی شار ہوتی ہیں جبکہ احباب کے ہاں اس طرح طلاق مختظ واقع ہو جاتی ہے۔ تو زمین اور آمان کا فرق واقع ہو گیا۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ اگر سنی لڑکا اور شیعہ لڑکا اور سنی لڑکی رشتہ ازدواج میں مسلم ہونا چاہتے ہیں تو ان میں سے ایک کو تربانی دینا پڑے گی۔ شادی کے وقت وہ نکاح فارم میں لکھوادیں کہ اس شادی کے جملہ معاملات کو نبی فقة کے تحت طے پائیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی جھکڑا ہو تو وہ اسی فقة کے تحت طے کیا جائے۔

اٹھو گرنہ حشر.....

ارادہ اور عزم ہو تو کون سا ایسا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا۔ (Where there is a will there is a way)

کرنے کی اہمیت سامنے ہو، یہ تینوں dimensions سامنے ہوں، یہ احساس اجاگر ہو کہ جب تک یہ مفہوم نہیں ہوگی ہم تینوں اعتبارات سے مفلوج کھڑے رہیں گے۔ ہم نے شیعہ سنی اختلاف کے باعث ایک طرف وہشت گری اور تخریب کاری کو کہیں گاہ فراہم کر دی ہے، دوسری طرف پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی ہے اور تیسرا طرف ان تمام مسلم ممالک میں اتحاد کی راپیں مددود ہو رہی ہیں جن کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ یہ جیور لذ آرڈر کو روکنے کے لئے عالم اسلام میں آخری چنان ہیں۔ بہرحال عرض کر رہا ہوں کہ۔

اٹھو و گرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اگر ہم اس مسئلہ پر سمجھدے نہیں ہوتے اور یہاں شیعہ سنی مفہوم نہیں ہوتی تو، خاکم بد، ہن، ملک نوٹ جائے گا، پھر یہ مستحکم کار ہے گانہ شیعہ کا۔ اس ملک سے کس کس کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ پاکستان اسلامیانِ ہند کی پوری نصف صدی کی جدوجہد کا حاصل تھا۔ یہ لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ترانہ تو یہاں لیکر کر گایا جاتا ہے کہ

”آؤ بچو سیر کرائیں تم کو پاکستان کی

جس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی“

کیا ہم وہ قربانیاں بھول گئے ہیں؟ اب تو اس نسل کے، میری عمر کے لوگ بھی یوں سمجھتے کہ چرائی محرومی ہیں جو آگ اور خون کے دریا بالفعل عبور کر کے اس سر زمین تک پہنچتے۔ ہم نے حصار سے چل کر سلیمانی ہیڈور کس تک ۲۰ میل کا فاصلہ ۲۰ دن میں طے کیا تھا۔ مزید چند برس تک اب کون یا قی رہ جائے گا جو قیام پاکستان کے حالات و واقعات کا چشم دیدگواہ ہو۔ ۴ ”بہت آگے گئے، یا قی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں؟“ پاکستان کی خاطر ہزار ہا مسلمان عورتوں کی عصمتیں لٹی ہیں، جبکہ ہزار ہا عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاں ہی رہ گئی ہیں۔ قیام پاکستان کے چند سال بعد ان کی بازیابی کی مصمم چلی تھی لیکن ان میں سے بہت سوں نے یہ کر کر یہاں آنے سے انکار کر دیا کہ تم لوگ اب ہمیں لینے آئے ہو جب یہاں ہمارے دو دو

تین تین پچھے ہو چکے ہیں، اب تمہارے معاشرے میں ہمیں کون قبول کرے گا؟ اس قیمت پر یہ پاکستان بنا تھا۔

اب بھی اگر ہم نے نظریہ پاکستان کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہ کی تو پاکستان یا تو ٹوٹ جائے گا یا اگر رہے گا بھی تو کسی کا طفیل بن کر۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک صاحب نے یہ بیان دیا تھا کہ ہم پاکستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی دوبارہ نہیں بننے دیں گے تو اس کے جواب میں کسی صاحب نے، جن کا نام میں بھول رہا ہوں، بڑا پیارا مضمون لکھا ہے جس میں انسوں نے کہا ہے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی یہاں سے گئی ہی کب تھی جو آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے دوبارہ نہیں آنے دیں گے۔ وہ تو جوں کی توں قائم ہے، صرف یہ فرق یہ واقع ہوا ہے کہ اب والیرائے کی جگہ ایم بیسیڈرنے لے لی ہے ماندازہ کجھے، کراچی میں جو دو سفارت کار مارے گئے ان میں سے ایک کی رجسٹریشن بھی حکومت پاکستان کے پاس نہیں تھی۔ غالباً وہ انٹلی جس سے متعلق کوئی خصوصیت تھی جو کسی cover میں تھی اور اس پر طردہ یہ کہ ان پر قانون بھی پاکستان کا نہیں امریکہ کا لالا گو ہو گا۔ بہر حال اس صورت حال میں اگر یہ ملک باقی بھی رہا تو اس کا ٹھکانا یا تو امریکہ کی جھوٹی ہے یا پھر بھارت کی۔ ایک کی جھوٹی میں گرنے کا سلسلہ تو شروع ہو چکا ہے، لیکن کچھ کمانہیں جاسکتا، کبھی بھی حالات بدلتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد تیری بات یہ ہے، جو اہل تشیع کو خوب اچھی طرح سمجھ لئی چاہئے، کہ اگر پاکستان کی سالمیت کو کوئی گزند پچھی تو پھر ایران کی بھی خیر نہیں، یونکہ معاملہ صرف پاکستان کا نہیں ہے بلکہ امریکہ کے نارگٹ پر ایران بھی ہے اور اب تو شاید ہم سے کچھ درجے زیادہ ہی ہے۔ کل آپ نے خبر پڑھ لی ہو گی کہ کس طرح یہ بات کئی شروع کر دی گئی ہے کہ ایران پاچ سال کے اندر اندر ایتم بم بنالے گا۔ یہ خبریں اسی طرح رفتہ رفتہ ریلیز کی جاتی ہیں تاکہ اس کے خلاف ذہنی نضما ہموار ہونی شروع ہو جائے۔ جیسے کبھی اسرائیلی طیارے سعودی عرب میں سے گزر کر عراق کے ائمہ ری ایکٹر پر بمب اسی کر گئے تھے ایسا ہی کوئی اقدام کبھی وہاں بھی ہو سکتا ہے۔ انگریزی کی کماوت ہے:

”United you stand, divided you fall“

اور مفاہمت ہو جائے تبھی ان تینوں جتوں (dimensions) میں بات بہتری کی طرف جا

سکتی ہے۔

شیعہ سُنّی مسئلے کا چو تھا پہلو

اب میں اس مسئلے کے بعد رابع (4th dimension) کی طرف آتا ہوں جس کے بارے میں میں نے کہا تاکہ وہ غیر مرئی (invisible) ہے۔ اور یہ غیر مرئی پہلو صرف اسے نظر آئے گا جس کی آنکھ ہے "سرمه ہے میری آنکھ کاغذ مدنیہ و نجف" کا مصدقہ ہو بلکہ میرے نزدیک جس کی آنکھ میں کتاب و سنت کا سرمہ لگا ہوا ہو، جبکہ باقی تمیں پہلو تو ایسے واضح ہیں جو انہے کو بھی نظر آ جائیں اور یہ چو تھا پہلو یا بعد رابع احادیث نبوی میں وارد پیش نہ کیا اور خوشخبریاں یا تنبیہات ہیں۔ یہودیوں کے ہاں سے "نیوورلڈ آرڈر" کے نام پر جو عظیم طوفان اٹھنے والا ہے اس کے پیش نظر "اللَّهُ أَكْبَرُ الدِّجَالُ" کاظمو راب شاید کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بھی میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ نہ ہی یہودیوں اور یکوں ریہودیوں کے مابین میں نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کے حوالے سے یہ بھی بتاتا چلوں کہ پچھلے دنوں میں امریکہ میں تھا تو وہاں نہ ہی یہودیوں نے اقوام متحده کے ہیڈ کوارٹرز کے سامنے ایک بست بڑا مظاہرہ خود اسرائیل کی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ اس مظاہرے میں بڑی کیش تعداد میں بنیاد پرست نہ ہی یہودی شریک ہوئے جو اپنی داڑھیوں اور سیاہ شیر و انبوں کی طرح کے لبے لبے کوئوں سے ایسے لگتے تھے جسے بڑے متشرع مسلمان ہوں، سوائے اس کے کہ ان کی زلفوں کا ایک خاص انداز ہے اور اگر وہ نہ ہوتا ہمیں تو وہ بڑے "مردم مومن" نظر آئیں۔ یہ مظاہرہ اس لئے ہوا کہ اس وقت کی حکمران پارٹی یکوں اور صیونی ڈن کے لوگوں پر مشتمل ہے، جو یہ چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ عظیم تراسرائیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب یہ پورا علاقہ ہمارے معاشری سلطیں میں آجائے گا تو پھر تمیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑنے سے؟ لیکن بنیاد پرست یہودی اس پر مصروف کہ ہماری ارض موعود ہمیں ملنی چاہئے اور عظیم تراسرائیل قائم ہونا چاہئے۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر بھی عظیم تراسرائیل کا نقشہ موجود ہے اور یہودیوں کے لئے اس سے انحراف کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لہذا عظیم تراسرائیل کے قیام کے لئے مسیح دجال کا

خروج اب کوئی دن کی بات ہے، یہ چند سالوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس وقت سیکولر یہودیوں نے مذہبی یہودیوں کو ایک رشوت یہ دی ہے کہ وہ انہیں باور کر ا رہے ہیں کہ ہم یہودی علم پر قبضہ برقرار رکھیں گے۔ اگرچہ ہم نے سنائی، جو یہودیوں غیرہ کے علاقے واپس کر دیے ہیں اور اگر ہمیں شام بھی تسلیم کر لے تو ہم بولان کی پاٹیاں بھی دینے کو تیار ہیں، اگر اس پورے علاقے پر ہمارا معاشری سلطنت قائم ہو جائے تو ہم تلچھت اور لسی انہیں پلاٹیں گے اور ملائی اور مکھن خود کھائیں گے، لیکن ہم یہودی علم کی قیمت پر واپس نہیں کریں گے، یہ ہمیشہ کے لئے ہمارا صدر مقام ہو گا اور اس میں ہم یہکل سلیمانی تعمیر کریں گے۔ اور آئندہ کے "ہالو کاست" کا ناظم آغاز یہی ہو گا کہ سلیمانیوں کو مذہبی یہودیوں کی خدمت میں یہ رشوت پیش کرنا پڑے گی کہ مسجد القصی کو کسی بمانے سے گرا کرو ہاں یہکل سلیمانی تیسری مرتبہ تعمیر کریں۔ اور جب یہ ہو گا تو عالمِ غرب میں سے درد مند مسلمان بے چین اور بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کے بعد انہیں بخونے والے یہی امریکہ کے ایجٹ ہوں گے جو ان کے حکمران بن کر بیٹھنے ہوئے ہیں۔ لیکن جب یہ معاملہ اور آگے بڑھے گا تو کوئی یہودی کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے گا کہ میں ہوں وہ "المسیح" جس کے تم منتظر ہو۔ مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشانیگوئی بہت سے انبیاء نے دی تھی کہ اگر یہودی ان پر ایمان لے آئے تو وہ ان کے لئے نجات و ہندہ ثابت ہوں گے۔ لیکن جب وہ مسیح بالفعل آگئے تو یہودیوں نے انہیں نہیں مانا، بلکہ انہیں واجب القتل قرار دے کر اپنے بس پڑتے انہیں سولی پر چڑھایا۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا۔ اب یہود کے نزدیک ان کے مسیح موعود جگہ ابھی خالی ہے، لہذا ان میں سے کوئی بدجنت "مسیح" ہونے کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اعلان کرے گا کہ وہ گریٹر اسرائیل قائم کر کے رہے گا۔ وہ دراصل "المسیح الدجال" ہو گا۔ "دجال" فرمی اور impostor کو کہتے ہیں۔ اصل مسیح تو وہ تھے جو ان کی طرف مبouth کئے گئے، لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے اور وہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے، اور "المسیح الدجال" مسیح ہونے کا جھوٹا دعویدار ہو گا۔ اس کے بعد وہ سارے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن کی پوری تفصیل احادیث میں آئی ہے۔ میں نے ان احادیث کے متن اور حوالہ جات اپنی

کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" میں دے دیئے ہیں۔ ہندوستان کے ایک عالم دین جناب اسرار عالم کا ایک مضمون تازہ میشان (بابت فروری، مارچ ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کا مالیاتی نظام کیا ہے۔ اُنہی کا ایک دوسرا مضمون نہ ائے خلافت میں بھی دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اب یہ ساری چیزیں طشت از بام ہو چکی ہیں، اگرچہ اب ان کے جانے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں، یہودیوں نے جو کرتا تھا وہ کرچکے۔ اب یہ ساری چیزیں عام بھی ہو جائیں تو ہم کیا کر لیں گے؟ البتہ اس کے بعد کی خبریں یہی ہیں کہ عالم عرب کے اندر بھی اللہ تعالیٰ حضرت مهدیؑ جیسے عظیم رہنماؤ پیدا کرے گا اور پھر ان کی مدد کے لئے اور الحج الدجال کو قتل کرنے کے لئے اصل مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے دوبارہ بھیجے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہمارے ہاں تحقیق علیہ ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضرت مسیح کی آمد کے بعد ان کی مدد کے لئے زینی طور پر بلادِ مشرق سے لکھر چلیں گے اور یہ وہی مشرق ہے جس میں اور آپ آباد ہیں، جس میں افغانستان بھی ہے اور ترکستان بھی۔ اس مضمون سے متعلق مندرجہ ذیل دو حدیثوں کو میں نے بتا عالم کیا ہے۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

الله علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

يَخْرُجُ نَاسٌ مِّنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِلْمَهْدِيِّ يَعْنِي سُلْطَانَه

یعنی مشرق سے کچھ لوگ لکھیں گے جو دشمنوں کو پاپاں کرتے ہوئے مدد کی کوئی قائم کرنے کے لئے پہنچیں گے۔

یہاں میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل تشیع اور اہل سنت کے ہاں مدد کا جو تصور ہے اس میں فرق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مددی ایک لیدڑ ہوں گے جن کی عام انسانوں کی طرح ولادت ہوگی۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل سے ہوں گے۔ ہمارے ہاں ان کی خبر بڑی مصدقہ احادیث میں دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے بھی سعودی عرب میں شیع تیار ہو چکا ہے۔ شاہ فہد اب شاید سعودی خاندان کے آخری بادشاہ ہوں، اور ان کے بعد بڑی شدت سے انتشار کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جو ولی عہد ہے وہ

امریکہ کو پسند نہیں، لہذا وہ کسی اور کو لانا چاہے گا اور اس اعتبار سے وہاں کا معاملہ بست طوفانی ہو جائے گا۔ بہر حال مددی مسلمانوں کے لیڈر ہوں گے جو یورپیوں نے اور دجال سے مقابلہ کریں گے اور عرب کے اندر ایک محکم اسلامی ریاست اور حکومت قائم کریں گے۔ ان کے لئے ایک طرف آسمانی مدد حضرت مسیحؐ کی نعل میں آئے گی جو سعیج دجال کو قتل کریں گے اور دوسرا طرف زمینی مدد کے طور پر مشرق سے فوجیں آئیں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں پہلے سے کوئی نظام قائم ہو چکا ہو گا۔ یہی وہ بات ہے جو علامہ اقبال نے بایں الفاظ کی ہے۔

میر عرب کو آئی محنتی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

بَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأَيْاتُ سُودَ لَا يَرِدُ هَاشَىٰ كَهْ حَتَىٰ تُنْصَبَ
بِإِيلِياءٍ

یعنی خراسان سے سیاہ علم برآمد ہوں گے اور وہ پیش قدی کرتے ہوئے چلے جائیں گے، کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکے گا، یہاں تک کہ وہ ایلیاء میں جا کر نصب ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں دو لفظ ”ایلیاء“ اور ”خراسان“ وضاحت طلب ہیں۔ ”ایلیاء“ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یونانی علم کا نام تھا۔ ۷۰ءے عیسوی میں روی چرنل ٹائش نے یونانی علم کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد ہیدریان پادشاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام بھی بدل کر ایلیاء کہ دیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ تک اس کا نام ایلیاء تھا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں ”خراسان“ افغانستان کے پورے علاقے اور ترکستان، ایران اور پاکستان کے بعض علاقوں پر مشتمل خطے کا نام تھا۔ میں امریکہ میں ایک کتاب میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کے زمانے کا نقشہ دیکھ کر آیا ہوں جس میں اس پورے علاقے کو خراسان ظاہر کیا گیا ہے۔ ایرانی قول نصیحت سے کچھ حضرات میرے پاس آئے تو میں نے

ان سے بھی اس خراسان کا تذکرہ کیا۔ اس پر انہوں نے بھی کہا کہ ”خراسان بزرگ“ وہ قدیم خراسان ہے جو اس پورے علاقے پر مشتمل ہے۔ افغانستان اس کے قلب میں واقع ہے، جس کے ارد گرد ایران، پاکستان اور ترکستان کے علاقے ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی وہ خوشخبریاں ہیں جن کے ہوتے ہوئے مجھے تو سرے سے کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو گا۔ البتہ اس کے لئے ہمیں مفاہمت کا قدم اٹھانا پڑے گا۔ اگر شیعہ سُنّی مفاہمت نہیں ہوتی تو اس کی طرف پیش رفت نہیں ہو پائے گی۔

حرف آخر

اب میں اپنے شیعہ بھائیوں سے آخری بات دست بستہ عرض کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ یہ بات صد ابصر اثابت نہیں ہو گی، مجھے امید کی کرن نظر آرہی ہے۔ خدا کے لئے اس معاملے پر اس پہلو سے سوچیں کہ اگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں تو کیا کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اسے رد کرتے ہیں تو کیا کچھ ہاتھ سے جاتا ہے، اس کا موازنہ کریں۔ اس ضمن میں ایک اچھی بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ ایک زمانے میں اہل تشیع نے اپنی ایک جماعت کا نام ”تحریکِ نفاذِ فتح جعفریہ“ رکھا ہوا تھا، جسے الحمد للہ اب انہوں نے ”تحریکِ جعفریہ“ کر دیا ہے۔ یعنی انہیں اس حقیقت کا درآک ہو گیا ہے کہ یہاں پر فتح جعفریہ کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اب میری ان سے گزارش یہ ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھا کیں اور کھلے دل کے ساتھ پاکستان میں وہی حیثیت قبول کر لیں جو ایران میں سینیوں کو دی گئی ہے۔ اس طرح یہاں پر وہ اتحاد قائم ہو جائے گا جس سے خیر کے سارے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔

أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلِكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ

وَالْمُسْلِمَاتِ ۰۰

اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت اور مفہوم کا راستہ

خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی

حمد و شکر اور درود کے بعد فرمایا :

اپنی تقریر سے پہلے میں لازم سمجھتا ہوں کہ اس ادارہ کے منتظمین اور جناب مولانا اسرار احمد صاحب کاشکریہ اداکروں کے جنہوں نے ہمیں اس بات کی اجازت دی اور ہمارے لئے اس امر کا اہتمام کیا کہ اس عظیم الشان ادارہ اور خاص طور سے قرآن اکیڈمی کا دورہ کیں اور چند باتیں آپ اساتذہ و تلامذہ کی خدمت میں عرض کریں۔

برادران محترم امت اسلام امت واحدہ ہے، وَإِنْ هُنَّةِ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ۔ البتہ عبد رسالت ﷺ کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور مختلف فرقے وجود میں آگئے، جن میں مختلف مسالک کلامی اور مسالک فقیہی شامل ہیں اور آج کے دور میں اکثر و پیشتر مسلمان انہی چند فقیہی مسالک کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان مسالک میں حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیم کے فقیہی مسالک شامل ہیں، وہاں ایک اور فرقہ مسک شیعہ پر ہے جو اہل بیت کے پیروکار ہیں۔ اور آج کے دور میں اکثر و پیشتر و مسلک اس فرقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک مسک شیعہ جعفریہ امامیہ اور دوسرا مسک زیدیہ۔

ہم نے ایران میں حضرت آیت اللہ خامنہ ای رہبر معظم جمہوری اسلامی ایران کے حکم کے مطابق ایک بین الاقوایی فورم تکمیل دیا ہے جس کا مقصد مختلف اسلامی مسالک کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے اور اس کا نام "جمع جمیں تقریب مذاہب اسلامی" ہے۔ ہماری دعوت اس بیان پر ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ زمانہ صدر اسلام میں جو بھی سیاسی اختلافات موجود تھے انہیں تو مکمل طور پر ہمیں بھول جانا چاہئے۔ البتہ مذاہب اور مسالک کے اختلافات برہان و استدلال کے دائرة میں قابل قبول ہیں اور قابل بحث بھی۔

مختلف مذاہب و مسالک کے پروگار اپنے اپنے امام اور رہبر رکھتے ہیں، ان کا اپنا اپنا مسلک ہے اور ان کی اپنی اپنی فقہ ہے۔ ہر فرقہ اپنی فقہ پر عمل کرتا ہے اور وہ اپنے امام کی تقلید پر ہوئی میں ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اسلامی امت واحدہ کے طور پر انہیں اکثر انہی مسائل کا سامنا ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے، خواہ ان مسائل کا تعلق عقیدہ سے ہو یا شریعت و سیاست سے۔ چاہئے یہ کہ ان جملہ امور پر ہم متفق ہوں۔ ہمیں اس امر پر کوئی اختلاف نہیں ہے، کیوں کہ ان جملہ مسالک نے پیغمبر اسلامی ﷺ، قرآن، قبلہ، نماز، روزہ، حج، امر بالمعروف اور نهى عن المکر سب کو قبول کیا۔ بھی ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا معیار و میزان ان جملہ امور کو قبول کرنا اور ان اصولوں پر ایمان لانا ہے، اور بھی کے نزدیک یہ امور و اصول قابل قبول ہیں۔ مسالک اور فرقے بعد میں پیدا ہوئے۔ مسالک تو راستے ہیں اسلام تک پہنچنے کے لئے۔ ہاں یہ راستے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اسلام تو ایک ہی ہے اور یہ راستے اور مسالک بھی تو اصلی و اصولی مسائل میں ایک ہی امت واحدہ اسلامی کو تشکیل دیتے ہیں۔ ان کا اصل و اصول پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو بعض مسائل میں ذیلی اور فرعی نویت کا ہے جو کہ مجتہدین کے اختتاد کی بنابر و جود میں آیا ہے۔ اس نوع کے اختلافات اہل سنت میں بھی ہیں اور اہل تشیع میں بھی موجود ہیں۔ ہم لوگ مسلک شیعہ امامیہ میں بھی مسائل فرعی میں اختلاف نظر رکھتے ہیں کیونکہ دلائل کے اختلاف کے لحاظ سے ہمارے علماء کے قوتوی متفق ہیں۔ باعث تجرب بات یہ ہے کہ مسلک امامیہ میں (یعنی فقہ جعفریہ میں) کوئی ایک مسلک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی اہل سنت کے کسی نہ کسی مسلک کے ساتھ مطابقت و موافقت نہ ہو۔ اس سلسلے میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور اس پر بھیشیں بھی موجود ہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں صدر اسلام کے اختلافی و سیاسی مسائل کو بھول جانا چاہئے۔ ان باقتوں کا تعلق ماضی سے اور گزشتہ تاریخ سے ہے اور ہم پر قطعاً لازم نہیں آتا ہے کہ ان مسائل کے بارے میں بخوبی میں الحجہ رہیں۔ ہاں البتہ جو اختلافی مسائل ہمارے درمیان میں موجود ہیں ان پر بات چیت کرتے ہوئے ہمیں رواداری کا ثبوت دینا چاہئے اور اس سلسلہ میں درست علمی روشن کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ ہمیں کسی بات کو بھی محض فقی اخلاف کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑے یا تباہی کا باعث نہیں بنانا چاہئے یا یہاں تک نوبت نہیں لے آئی چاہئے کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے پھریں یا ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کرتے پھریں۔ مسلمان ہونے کی شرط ان اصولوں پر اعتماد ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور آخر حضرت ﷺ نے

کے زمانے میں جملہ مسلمانوں میں رائج رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم تمام مسلمان ان اصولوں پر
تفقی ہیں۔ ہاں البتہ مسلکی و فرعی مسائل پر اختلاف رائے موجود ہے اور رہے گا کیونکہ اس سلسلہ
میں مجتہدین کا اختلاف رائے موجود ہے، والاک کا اختلاف موجود ہے، احادیث کا اختلاف موجود ہے،
مختلف مسائل میں اصول انسنبلاط کا اختلاف موجود ہے۔ ایک مسلک کے مطابق قیاس کو جنت تسلیم
نہیں کیا جاتا لیکن دوسرے مسلک میں قیاس کو جنت تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک ذہب کے مطابق ایک
روایت صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے، دوسرے ذہب میں دوسری روایت صحیح ہے اور اس پر
عمل کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے اختلافات موجود رہے ہیں اور رہیں گے۔ یہ اختلاف تور حلت ہے۔
”اختلاف امتی رحمۃ“ کے معنی بھی یہی ہیں کیونکہ فرعی و ذیلی مسائل میں اجتناد کا دروازہ
کھلا ہے اور اس طرح اختلاف کا دروازہ بھی۔ اور مسلمان زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کے
مطابق ان مسائل میں سے کسی ایک پیروکار ہو سکتے ہیں۔

شیخ الازم ہر شیخ محمود شتوت نے آج سے تقریباً تیس برس پہلے نوٹی دیا کہ یہ مسائل جن میں^۱
اصل فقہ موجود ہے اور یہ مدقائق سے رائج ہیں، یہ سمجھی معتبر ہیں اور ایک مسلمان ان میں سے کسی
ایک کی پیروی کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو جناب شیخ محمود شتوت نے اس وقت کی، اس کی
عملی اساس یہی ہے کہ مشترک اور سلسلہ امور میں توکوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ بعض ایسے
مسائل میں اختلاف ہے کہ جن کی وجہ و اوضاع نہیں ہیں۔ چنانچہ ان میں اختلاف نظر موجود ہے۔

بعض مسائل ایسے ہیں کہ مسلمان ان میں اپنے ہی ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں
وہ دوسرے مسائل کی تقلید بھی کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے اس ایک مسلک کی کاپانڈ نہیں ہو کر رہ
جانا چاہئے۔ کسی ایک علاقہ میں کوئی ایک مسلک رواج رکھتا ہو اور وہاں علماء و سابقین کا ایک گروہ
اس مسلک کی پیروی کرتا رہا ہو اور عمد حاضر میں بھی اس مسلک کی پیروی اس علاقے میں موجود ہو
تو اس سے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونا چاہئے اور یہ مذہبی و مسلکی اختلاف اس امر کا موجب نہیں بنتا
چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنا ہی چھوڑ دیں اور اسلام سے خارج سکھنے لگ
جائیں۔ جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہو کہ وہ ایسے بنیادی اصولوں پر کامل اعتقاد رکھتے ہوں جو
معیار وحدت طی اور معیار اسلامی کے عین مطابق ہوں۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کی ہم ”مجموع جهانی تقریب نماہب اسلامی“ (مسائل اسلامی کی قربت
کے لئے بین الاقوامی فورم) میں پاسداری کرتے ہیں۔ یہ فورم ایک ایسا مرکز ہے جس کی پانچ سال
پہلے بنیاد رکھی گئی۔ اس کی ایک مجلس مشاورت ہے جس میں اہل سنت و اہل تشیع کے مختلف

مساکن کے نمائندے شریک ہیں اور سال میں ایک دفعہ ان کا ماہ میلاد النبی میں اجتماع ہوتا ہے، جس میں مختلف موضوعات پر سینیار اور کانفرنس منعقد ہوتی ہیں۔ شرکاء مشترکہ و متفقہ مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو عقائد اسلامی کی پابندی کی تاکید و تلقین کرتے ہیں اور اختلاف مسائل پر بحث و اظہار نظر کا دروازہ ایک دوسرے کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ عموماً ہر سال ایک موضوع اس سلسلہ میں مورد بحث قرار پاتا ہے۔ اس سال ماہ ربیع الاول میں ”تقرب مذاہب اسلامی سینیار“ میں ”کتاب و سنت“ موضوع دیا گیا تھا۔ سو سے زائد مقالات اندر وہن و ہمیون ملک سے اہل سنت والیں تشیع کی طرف سے اس موضوع پر موصول ہوئے۔ سب کا اس امر پر اتفاق نظر تھا کہ قرآن مجید آسمانی کتاب ہے اور اس میں قطعی طور پر کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور جو کوئی یہ کہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے اسے فرقہ اسلامیہ میں شمار نہیں کرنا چاہئے اور اگر اس نے غلطی سے یہ بات کی ہو تو اسے اس سے دستبردار ہو جانا چاہئے اور اگر اس نے یہ بات عمدًا کی ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ قرآن مجید پر یہ خیالات اس فورم سے اتفاق رائے کے ساتھ پیش کئے گئے اور اس سلسلہ میں ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا۔

سن نبوی ﷺ کے سلسلہ میں سب کا اس امر پر اتفاق تھا کہ یہ اسلام کا دوسرا کرن رکین ہے۔ ہاں البتہ سن نبوی ﷺ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السَّلَامُ وَاٰلُهُ وَسَلَامٌ عَلَيْهِمُ الْاٰمِنُونَ کے ذریعہ بھی مسلمانوں تک پہنچی کہ اہل سن نبوی ﷺ زیادہ تر اس ذریعے اور واسطے سے سن نبوی کے مقلد ہیں۔ اس طرح سن نبوی ﷺ حضرات ائمہ اہل بیت کے ذریعہ مخصوص حضرت جعفر بن محمد ﷺ کی واسطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے جگت اور سند ہے۔

اس امر پر سب کا اتفاق رائے تھا کہ سن نبوی ﷺ اور اس پر عملدرآمد کے بارے میں وہ تمام قواعد و موازنین مد نظر رکھے جائیں جو علم حدیث میں مصطلح ہیں اور بغیر تحقیق کے کسی حدیث یا روایت پر عمل شروع نہیں کر دنا چاہئے۔ تحقیق کے بعد اور بیان شدہ موازنین کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت کریں اور پھر اس حدیث کو قبول کریں اور اس کے بغیر قبول نہ کریں۔ اس امر پر کامل اتفاق رائے تھا کہ بہت سارے موازنین جو اس سلسلہ میں متعین ہیں، قبول سن نبوی ﷺ کے لئے معتبر ہیں اور بھی اس بات پر تشقق تھے کہ راوی کو صادق ہونا چاہئے، عادل ہونا چاہئے، اس کا مسلک درست ہونا چاہئے، اسے صاحب اعتماد ہونا چاہئے۔ اگر کوئی جانبداری کا مظاہرہ کریں تو ان کی روایت قابل قبول نہیں ہے مگریہ کہ ان کی بیان کردہ روایت کا ساتھ قرآن بھی دیتے ہوں اور دوسروں نے بھی وہ روایت بیان کی ہو تو وہ جملہ مسائل تھے جن پر کتاب و سنت کے حوالے سے

اتفاق رائے موجود تھا۔ ہاں اس سلسلہ میں اختلافی مسائل بھی ہیں۔ آیات فرآنی کے سلسلہ میں مختلف تقاضیں موجود ہیں۔ ایک ہی آیت کی کئی طرح سے تفسیر کی گئی ہے۔ ان تقاضیں کو جانچنا چاہئے کہ ان میں سے کون سی ظاہر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان میں سے کون سی صحیح روایت حضرت رسول اکرم ﷺ کی جانب سے ہم تک پہنچی ہے، اسے اختیاب کریں۔ برعکس تفسیر قرآن کے ذیل میں اختلاف نظر موجود ہے۔ قرآن مجید کی قراءتوں میں اختلاف موجود ہے۔ یہ سب نقطہ رائے نظر محترم ہیں لیکن انسان کو اس نقطہ نظر کو قبول کرنا چاہئے ہو دنیل ویرہان کے ساتھ ہو۔ اس کے بغیر کسی ایک کو دوسرا نقطہ نظر پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یہ سب مسائل جو بحث و مباحثہ کے ذیل میں آئے اور ان پر اتفاق رائے بھی موجود تھا۔ اختلافات بھی پیش کئے گئے لیکن نچلے حلقة میں، جن کی تفصیل مقالات اور تقاریب میں آپسی ہے۔

برادران گرامی! ہمیں دو برے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے ایک حکومت اسلامی کا مسئلہ ہے۔ پانچ بیجہ میں حضرت تفسیر اکرم ﷺ کے زمانے کے بعد ایسی حکومتیں آئیں کہ جن پر کچھ طبقات کا اتفاق اور کچھ کا اختلاف تھا۔ لیکن اج، کیا آج ہم اس بنیادی امر کو کہ اسلام حکومت کا حال ہے، نظر انداز کر سکتے ہیں؟ امام شیعی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کرتے تھے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت اسلامی کی بنیاد رکھیں۔ آپ خود اٹھئے، ایرانی عوام نے آپ کی پیروی کی، ان کی حمایت کی اور آخر کار آپ ایک اسلامی حکومت تکمیل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس اسلامی حکومت کی اساس اسلام ہے اور وہ اس امر کی پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اسلامی احکام کو نافذ کرے۔

اس امر کو نظر رکھتے ہوئے ایران کی اکثریت شیعہ امامیہ پر مشتمل ہے، اکثر قوانین اسی بنیاد پر تکمیل دیتے گئے ہیں۔ البتہ ایران میں الٰی سنت کے درمیان خود ان کے قوانین کا فرقاً کیا جاتا ہے اور ایران کے آئین جموروی اسلامی میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ اگرچہ ایران کا سرکاری مذہب، مذہب امامیہ ہو گا مگر حنفی، شافعی، ناکی، حنبلی اور زیدی مذاہب بھی قابلِ احترام ہوں گے اور ان مذاہب کے پیروکار ایران میں اپنے قانون (پرستش لاء) پر عمل کریں گے۔ نکاح اور رواشت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی پیروی خود ان کے اپنے مذہب کی ہوگی۔ چنانچہ آج وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ اپنے ملک کے مطابق عبادات انجام دیتے ہیں۔ ان کے مدارس، ان کی مساجد اب بھی موجود ہیں اور انقلاب کے بعد ان میں ترقی اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے ملک پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ عام طور سے ایران میں الٰی سنت کے دونوں مذاہب ہیں۔ ایک مذہب امام ابو حیفہ اور دوسرا مذہب امام شافعی۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکار اپنے عمل میں پوری طرح آزاد ہیں۔ اگر

اپ کو اس کے بر عکس کوئی بات بنا لگی ہے تو وہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے اور جھوٹ۔

اسلام کے دشمن کوئی کم نہیں ہیں۔ ان کا سرغندہ امریکہ ہے اور اسی طرح بہت ساری وہ حکومتیں جو اسلامی ممالک میں ہیں اور وہ اپنے ہی ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کی خلاف ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ انقلاب کیں دوسرے ممالک میں اثر و نفوذ پیدا نہ کر لے، ایران کے اسلامی انقلاب کی غلط تصویر دکھائی جاتی اور اس پر افڑاء باندھا جاتا ہے۔ یہ تو رہا ایران کا معاملہ، جماں تک دوسرے اسلامی ممالک کا تعلق ہے تو ہم اس امر کے خواہش مند ہیں کہ ہر اسلامی ملک میں اس ملک میں رائج نہ ہب و مسلک کے مطابق اسلامی حکومت تکمیل دی جائے۔ اور اس ملک میں جماں زیادہ تر امام ابو حنیفہ کے نہ ہب کے پیروکار موجود ہیں، اسی مسلک کی بنیاد پر، افرینی ممالک جماں پر امام مالک کے پیروکار موجود ہیں وہاں پر امام مالک کی فتنہ کے مطابق حکومت اسلامی بنائی جائے۔

یہ جو امام ثیتی کہتے تھے کہ ایران کا انقلاب برآمد ہونا چاہئے تو ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جس طرح ایران میں اسلام کی بنیاد پر حکومت اسلامی وجود میں لائی گئی ہے تو اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں، ان میں رائج اسلامی قسموں کے مطابق اسلامی حکومتیں تکمیل دی جائیں۔

آپ کو جانتا چاہئے کہ ہمارے ہاں سیاسی مسائل پر کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔ آخر کار ہمارے ہاں شورائی نظام قبول کر لیا گیا۔ ایران میں صدر مملکت لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان بھی عوام کے ووٹوں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ ہر اسلامی ملک میں اسلامی حکومت تکمیل دی جاسکتی ہے جو اس امر کی پابند ہو کہ اسلامی احکام کو اپنے ہاں نائز کرے۔ سربراہ مملکت، صدر ہو یا خلیفہ یا کسی اور نام سے، اسے عوام کے ووٹوں اور شورائی نظام کے ذریعہ منتخب کیا جائے۔ لوگوں کے نمائندے بھی اسی طرح پارلیمنٹ میں ووٹ کے ذریعہ منتخب ہوں۔ ہمارے ہاں اور دوسروں کے درمیان اس موضوع پر کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان اصول و مبانی کا جن سے ہم اس وقت ایران میں استفادہ کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔



بابہ دوہ

سفر ایران کے مشاہدات اور تاثرات

ڈاکٹر اسرار احمد

کاظماں جمعہ



مع
مقدمہ

امیر تنظیم اسلامی کا سفر ایران
ایک رپورتاژ

تحریر: ڈاکٹر عبدالحالق، نائب امیر تنظیم اسلامی

امیر تنظیم اسلامی کا

چھ روزہ دورہ ایران

(۲۳ تا ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

از قلم : ڈاکٹر عبدالحاق

گزشتہ سال (۱۹۹۵ء) نومبر میں جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی خاطر آئیت اللہ واعظ زادہ خراسانی (رئیس المجمع العالمی للتقربیب بین المذاہب الاسلامیہ) جب پاکستان تشریف لائے تو امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی بھی تشریف لائے۔ امیر محترم نے انہیں دعوت دی کہ وہ قرآن کالج میں طلبہ سے خطاب فرمائیں۔ اپنے اس خطاب میں انہوں نے جو باقی فرمائیں وہ کافی حد امیر محترم کی ان باتوں سے ممائش رکھتی تھیں جو وہ شیعہ سنی مذاہبت کی ٹھوس اور موثر اساس کے حوالے سے قبل ازیں بیان فرمائے تھے۔ چنانچہ عزیز متفق گردید رائے بولی بارائے من کے صدقان امیر محترم کی ان سے ذاتی دلچسپی قدر تقوی امر تھا۔ دوسری جانب جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی اس دلچسپی کو محسوس کر رہے تھے لہذا یہی دراصل امیر محترم کے موجودہ دورہ ایران کا اصل سبب بنا۔ ورنہ تو اس سے قبل بھی متعدد بار مختلف نکلنیا یا سینیاروں میں شرکت کے حوالے سے دورہ ایران کی دعوت مل چکی تھی، لیکن امیر محترم نے ہر بار یہی فرمایا کہ میں اس قسم کی مخالفی کا آدمی نہیں ہوں، مجھے تو آپ کبھی شخصی اور انفرادی حیثیت سے انقلاب ایران کے بعد کے "ایران" کو دیکھنے کی دعوت دیں گے تو جاؤں گا۔

چنانچہ اسی قسم کی دعوت پر ایک ہفتہ کا یہ دورہ طے ہوا۔ امیر محترم کے ہمراہ ہم تین افراد تھے: راقم الحروف، ڈاکٹر نجیب الرحمن جو تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق ہیں اور آجکل اگرچہ ملائشیا میں خدمات سر انجام دے رہے ہیں لیکن ۱۳ اسال تک ایران میں رہے ہیں۔ انہوں نے قبل از انقلاب اور بعد از انقلاب کے ایران کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فارسی میں بے

لکھ گئی گو کر سکتے ہیں۔ ابھی دو روز قبل ہی ملکیا سے پاکستان چشمی گزارنے آئے تھے کہ امیر محترم کے حکم پر ہمارے ساتھ ہو لئے۔ تیرے ہم سفر عزیزم رشید ارشد (جناب افتخار احمد مردوم کے سب سے چھوٹے بیٹے) تھے، جو اپنے ذاتی خرچ پر اس مختصر قافلے میں شریک ہوئے تھے۔

۱۱/۱۶ اکتوبر کو چار افراد کا یہ مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے شام روایہ ہوا۔ کسی بھی ملک کی شفافت کو سمجھنے کے لئے اس ملک کی ایئر لائن کا سفر اپنے اپنی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایرانی ایئر لائن میں عورتوں کو سکاراف اور ٹھنڈے کی ترغیب ولائی جاتی ہے اور اس کی "میزبان خواتین" (ایئر ہوش) ان کے تصورات کے مطابق حجاب میں ہوتی ہیں، جس میں چہرے کی نکیہ اور ہاتھ کے علاوہ جسم پوری طرح سے ڈھکا ہوتا ہے اور وہ ایر ہوش کی بجائے "راہبائیں" نظر آتی ہیں۔ تمن گھنٹے کی فلامٹ کے بعد ایران کے مقامی وقت کے مطابق (جو پاکستان کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ پیچھے ہے) ساڑھے چھ بجے ہم تران کے مر آباد ایر پورٹ پر اتر گئے، جہاں ہوائی جہاز کی سیڑھیوں ہی پر عبدالحیمد طالبی استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہ نوجوان اس اوارے میں ملازم ہیں جس نے ہمیں مدعا کیا تھا۔ ایران میں ہماری مصروفیات کا پروگرام انہی کے حوالے تھا۔ ہمیں I.P.L لاونچ لے جایا گیا جہاں دو مزید افراد ابوالقاسم اور جنتہ الاسلام غفاری استقبال کے لئے موجود تھے۔ سامان کی وصولی میں کافی وقت لگ گیا، محسوس ہوا کہ اس طرز سے ایرانی ایئر لائن بھی پاکستانی ایئر لائن جیسی ہی ہے۔ سامان کے انتظار کے دوران غفاری صاحب سے گفتگو جاری رہی۔ موصوف خاصی انگریزی بول لیتے ہیں اور اس سے قبل بعض ممالک میں سفیر کے عدہ پر بھی فائز رہے ہیں (ایران میں علماء فارسی اور عربی پر تو کافی دسترس رکھتے ہیں لیکن انگریزی شاذ ہی کوئی سمجھنا یا بول سکتا ہے) امیر محترم نے ان کے سامنے اپنے دورہ ایران کا پس منظر بیان کیا، نیز میں الاقوایی حالات کے تاثر میں شیعہ سنی مذاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے ٹھوس اور موثر اساس پر اپنا موقف بیان کیا۔ امیر محترم انکے کافی تھک پکے تھے لیکن سامان کی آمد کا انتظار ایک مجبوری تھا۔ خدا خدا اکر کے ایر پورٹ سے روانہ ہوئے اور قریباً پینتالیس منٹ کی ڈرائیور کے بعد ہوٹل آزادی پنجے جس کی کل چھتیں منزلوں میں سے انہیوں منزل پر ہمیں ایک ہفتہ رہنا تھا۔ ہم تو ذہناں اس کے لئے بھی میار تھے کہ ایک ہی کمرے میں گزارہ کر لیں لیکن یہ ہمارے میزبانوں کو گوارانہ ہوا اور انہوں نے امیر محترم کو ایک بڑا کمرہ عیینہ دیا۔ البتہ باوجود مطالبے کے ہمیں ہماری مصروفیات کے بارے میں

کوئی نامِ نیبل نہیں دیا گیا؛ صرف اتنا بتایا گیا کہ صحیح ساز ہے آٹھ بجے تیار رہئے گا۔
 ۱۷/۱۰ کتوبر صحیح ۹ بجے آیت اللہ تفسیری صاحب سے ملاقات تھی۔ موصوف نے شافت و
 علاقات اسلامیہ ہیں۔ اور ہمارا میزبان ادارہ "المجمع العالمی للتقرب" بین
 المذاہب الاسلامیہ "انہی کے ماتحت کام کرتا ہے۔ ان سے یہ ملاقات کوئی پونگھنے
 نہ کر جاری رہی۔ جناب آیت اللہ نے فارسی زبان میں گفتگو کی جس کے اکثر مفہوم کو امیر محترم
 نے سمجھ لیا اور پھر اپنی گفتگو میں جو انگریزی زبان میں ہوئی اس کا جواب دیا۔ آیت اللہ تفسیری
 بہت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ موصوف کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی ہے جس نے ان
 کی شخصیت کو بہت ول آؤز بنا رکھا ہے۔ امیر محترم نے یہاں بھی شیعہ سنی مفہوم کے حوالے
 سے اپنی تجویز کا اعادہ کیا۔ آیت اللہ تفسیری نے انتقال ایران کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ
 ایرانی فوجیوں کو انقلابیوں کا ایک ایک ہجوم منتشر کرنے کے لئے ٹینک دے کر روانہ کیا گیا۔ جب
 شاہ کے ٹینک جلوس کے قریب پہنچنے تو مظاہرین کے رہنمائے لوگوں کو اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا
 حکم دیا۔ اب سپاہی ٹینک چھوڑ کر کھڑے ہو گئے کہ اس صورت حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔
 (نیشنل آرمی اپنے عوام پر ناروا ظلم نہیں کر سکتی۔ گویا یہ واقعہ اس کا ثبوت تھا)۔ جناب آیت
 اللہ تفسیری نے ایک قرآنی آیت کا خوبصورت فریم امیر محترم کو ہدیتا پیش کیا۔ جواب امیر محترم
 نے انہیں اپنی انگریزی و فارسی کتب کا سیٹ نہیں کیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہمیں "مرکز و اسرائیلی المعرفہ بزرگ اسلامی" لے جایا گیا۔ اس
 ادارے کے تحت اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کا کام جاری ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔
 ۳۰۰ سکالر اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔ اب تک اس کی ۱۹ جلدیں چھپ چکی ہیں، ساتھ
 ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی ہو رہا ہے جس کی چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ عربی زبان کی پہلی دو
 جلدیں امیر محترم کو ہدیتا پیش کی گئیں۔ اس ادارے کی اپنی لامبری ہے جس میں ۳۵ ہزار
 کتابیں موجود ہیں۔ اس ادارے کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے
 ادارے کا تفصیلی تعارف کروایا۔ اس ادارے کے تحت ہر سال ایک جلد ۶۰۰ صفحات پر
 مشتمل انسائیکلو پیڈیا کی تیار ہو رہی ہے۔

امیر محترم نے اس انسائیکلو پیڈیا کے اردو زبان میں ترجمہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا
 کہ پوری دنیا کی ۱۲۰ کروڑ مسلمان آبادی میں سے ۳۰ کروڑ کے قریب آبادی بر عظیم پاک و ہند
 میں بنتی ہے جو تقریباً سب اردو زبان سمجھتی ہے، لہذا اس انسائیکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ

بہت مفید رہے گا اور بڑی تعداد میں مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے بتایا کہ ایرانی حکومت نے فلسطین کے بارے میں ایک خصوصی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر بجنو روی بہت اہم شخصیت ہیں۔ ان کے والد آیت اللہ عنصروی "مرجع" تھے۔ ڈاکٹر موصوف خود یا مخصوصیت رہے ہیں۔ شاہ کے زمانے میں انہوں نے ۱۹۸۳ء سال قید میں گزارے۔ یہ ملابی اسلامی پارٹی کے صدر تھے۔ اس پارٹی کے کئی رہنماء موجودہ حکومت میں وزیر ہیں۔ انقلاب ایران کے بعد ڈاکٹر موصوف احصان کے گورنر ہے۔ انہیں وزیر اعظم بھی نامزد کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی خدمات اس ادارے کے لئے وقف کر دیں اور تحقیقی کام کو ترجیح دی۔

نظر کے وقت ہم ہوش پہنچ گئے۔ امیر محترم نے ہوش میں آرام کیا، لیکن ہمارا رادہ تھا کہ ہم اپنے طور پر بھی کچھ گھومن پھریں تاکہ کچھ معلومات آزادانہ طور پر بھی حاصل ہوں، لیکن مجبوری یہ تھی کہ ہمیں جس ہوش میں ٹھرا ریا گیا تھا وہ مرکز شر سے ۵ الکلو میٹر دور تھا اور کوئی براہ راست پلک ٹرانسپورٹ بھی ادھر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ سرکاری انتظام میں ہی سپر ہم نے شر کا چکر لگایا۔ تہران شرخوب صاف تھا ہے۔ فٹ پاٹھ و اقتا پیڈل چلنے والوں کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ شر میں خوب چل پہل تھی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعداد قریباً برابر ہی کی ہوتی ہے گویا عورت مرد کے شانہ بثانہ کام کرتی ہے لیکن "جگاب" میں (ایرانی تصور کے مطابق)۔ کسی بھی عورت کو ہم نے جا ب کے بغیر نہیں دیکھا۔ انقلاب کے بعد معاشرتی سلسلہ پر یہ تبدیلی بہت نمایاں ہے، البتہ معاشری سلسلہ پر کوئی بڑی تبدیلی نہیں آسکی۔ مختگانی بہت زیادہ ہے اور عوام الناس اس سے خاصے پر بیشان ہیں۔ گویا اگر یوں کہا جائے کہ انقلاب کے بعد ان کے اسلامی تصورات کے مطابق ہی سی، یہ کہا جاسکتا ہے کہ کچھ پابندیاں تو لگ گئی ہیں لیکن لوگوں کی معاشری حالت بہتر ہونے کی بجائے دگرگوں ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس معاشری ابتری کا بڑا سبب آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو عوام کو بنیادی ضروریات کی بہ سوالت فراہمی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس سے لے بے عرصے تک صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ایسے ہی اسباب Counter Revolution کا باعث بن جایا کرتے ہیں، اگرچہ "بھرم اللہ" اس کے کم از کم فی الحال ایران میں کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

ہم نے کچھ خریداری بھی کی۔ رقم کا حساب کرنا سبتاً آسان تھا، ایک روپے کے ۱۰ تمن

اور ۱۰۰ اریال گویا ۱۰۰ ار پے کے مساوی ادا نسل کے لئے دس ہزار ریال ادا کرنے پڑتے۔ روپوں کے ریال حاصل کر کے جیب ایک دفعہ تو خوب بھاری ہو جاتی لیکن پھر ہلکی بھی اسی سرعت سے ہوتی۔ ایک عام سو یتھر کی قیمت قرباً چالیس ہزار ریال ہے۔

۱۱۸ / اکتوبر ہمیں انقلاب ایران کے رہنماء آیت اللہ شفیعی کے مقبرے پر لے جایا گیا۔ یہ تہران سے قرباً ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ عمارت باہر سے بہت خوبصورت لیکن اندر سے سادہ ہے، شاید اس لئے کہ ابھی زیر تعمیر ہے۔ مقبرے کے ساتھ ایک بست بڑا کپلکس بنایا گیا ہے جس میں ایک داشن گاہ (یوندرشی) اور ایک لاہری ہمینے کا منصوبہ ہے۔ اگرچہ تعظیل کا روز تھا لیکن لوگوں کی کوئی بڑی تعداد ہم نے وہاں نہیں پائی۔ لوگ قبر کے پاس جا کر دعا یہ کلمات ادا کرتے۔ بظاہر کسی قسم کی شرکیہ حرکات بھی ہم نے نہیں دیکھیں۔ مقبرے کے باہر ایک بست بڑے سائز بورڈ کے دو اطراف مرحوم آیت اللہ شفیعی کے یہ اقوال درج تھے:

”ماتا آخرین نفس تا آخرین منزل و آخرین قطرہ خون برای اعلاء کلمة الله ایستادہ ایم“۔ ”من در میان شما باشم یا نباشم به همه شما و صیت و سفارش میکنم کہ نگذارید انقلاب بدست نا اهلان و نامحرامان بفید“۔ یعنی: ”ہم اپنے آخری سائز، آخری منزل“ اور آخری قطرہ خون تک اللہ کے کلمہ کی سربندی کے لئے کھڑے رہیں گے“ اور ”میں تمہارے درمیان موجود رہوں یا نہ رہوں لیکن سب کو وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ انقلاب کو نا اہل اور ناواقف لوگوں کے حوالے کر دیتا“۔

آج جمعہ کاروڑ تھا۔ پورے تہران میں صرف ایک جگہ یونیورسٹی گراؤنڈ آزادی چوک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ جس میں وہاں کے لوگوں کے قول کے مطابق تو ۰ لاکھ کے قریب افراد نماز جمعہ ادا کرتے ہیں جو وسیع گراؤنڈ کے علاوہ آس پاس کی سڑکوں اور گلیوں میں بھی پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ دیسے گراؤنڈ میں بھی جہاں تک نگاہ جا سکتی تھی کم از کم ڈیڑھ دولاکھ انسان تو نظر آہی رہے تھے۔ خطیب ایرانی حکومت کا کوئی اہم نمائندہ ہوتا ہے۔ آج کے خطیب چیف جٹس آیت اللہ یزدی تھے۔

ہمارے اس دورے کے دوران آیت اللہ واعظ زادہ کے پرنسپل سیکرٹری جمیٹہ الاسلام میر آقائی مسلسل ہمارے ساتھ رہے۔ موصوف بہت خوش اخلاق پختہ عالم دین ہیں، قارغ اتحصیل ہیں، انگریزی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ ان سے ہمیں بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

علماء کے مابین درجہ بندی کا گایا معیار ہے۔ ۳ سال کی نہ ہی تعلیم کے بعد ایک شخص شفہ الاسلام کھلا تا ہے۔ ۱۰ سال کے بعد یہ شخص جماعت الاسلام کھلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ۱۵ تا ۲۰ سال گزرنے اور کوئی اہم علمی کارنامہ سرانجام دینے کے بعد آیت اللہ مجتہد کا درجہ ہوتا ہے۔ سب سے اوپر درجہ آیت اللہ العظیمی کا ہے جو مرچ بھی کھلاتے ہیں۔ اس وقت ایران میں کل ۱۴۰۰ امرچ ہیں۔ اس درجہ بندی کو "قُم" کے علماء کا ایک بورڈ طے کرتا ہے۔

۱۹ اکتوبر صبح ۸ بجے ہم "قُم" کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ تہران سے قریباً ۱۲۰ کلومیٹر دور ہے۔ قم جو ایران کا سب سے بڑا نہیں علمی مرکز ہے، یہاں نہیں جو ٹیکنیکی مدارس تو ہوتی ہیں لیکن دو اہم اور بڑے علمی مرکز حضور علیہ اور فیضیہ ہیں۔ ہم نے ان دونوں مرکزوں کو دیکھا۔ قم شرمنی خوب چل پیل دیکھی۔ خیال تھا کہ یہاں صرف علماء اور طلبہ ہی ہوں گے لیکن اس شرمنی عوام الناس کی بھی خوب آبادی ہے۔ یہاں پر ایک پیلک لا بھری ہی نے کافی متاثر کیا اور بڑی بات یہ ہے یہ لا بھری شخص واحد کی کاؤشون کا نتیجہ ہے۔ یہ لا بھری ۱۹۶۸ء میں قائم کی گئی تھی۔ آیت اللہ العظیمی المرعشی شخصی نے ذاتی وچھی اور محنت سے ایک لا بھری کو علم کے مثالی افراد کا مرچ بنا دیا ہے۔ اس وقت ان کے بیٹے السید محمود المرعشی ان کے اس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں لا بھری کے اہم شعبے دکھائے۔ سب سے اہم شعبہ قلمی نہوں کا ہے جس میں ۲۲۳۰۰ مخطوطات ہیں۔ نادر مخطوطات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک پانچ چوڑی اور قریباً ایک میٹر لمبی پیچ پر مکمل قرآن مجید با تھے سے لکھا ہوا دیکھا۔ لاطینی زبان میں ایک کتاب چڑے پر لکھی ہوئی یہاں موجود ہے۔ ان کتابوں کو خراب ہونے سے بچانے کا مکمل جدید نظام یہاں موجود ہے۔ کتابوں کی ماٹیکرو فلمز بنانے کا شعبہ بھی موجود ہے، جس میں تمام قم جدید سولہیں فراہم کی گئی ہیں۔ ایک پورا شعبہ انسائیکلوپیڈیا کا ہے جس میں دنیا کی تمام زبانوں (سوائے اردو کے) میں انسائیکلوپیڈیا موجود ہیں۔ ایک دارالعلوم بھی ہے جہاں بیٹھ کر علم کے پیاسے اپنی پیاس بھاگتے ہیں۔ روزانہ ۱۲۰۰ افراد اس لا بھری سے استفادہ کرتے ہیں۔ بہنے میں دونوں صرف خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔

ادارہ "المجمع العالمي للتقريب بين المذاهب الاسلامية" کی قم برائج جانا ہوا۔ اس کے اخچارج محمد مهدی بحفی ہیں۔ بہت ہی خوش اخلاق آدمی ہیں۔ یہاں پر قم کے علماء سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ پانچ علماء تشریف لائے جو سب کے سب آیت اللہ کے منصب پر قادر اور اپنے اپنے فیلڈ کے ماہر تھے۔ آیت اللہ معرفتی، آیت اللہ جنتی، آیت اللہ

ربانی وغیرہم۔ اس مختل میں خالص علمی موضوعات زیر بحث رہے۔ قرآن میں مذکور یا بوجوں ماجوں کے بارے میں رائے دی گئی کہ ہم سمجھتے ہیں کہ تینی واقعہ گزر چکا ہے۔ ذوالقرنین کے حوالے سے بتایا گیا کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق کو صحیح سمجھتے ہیں۔ چرے کے پردے کے حوالے سے بھی گنتگو ہوئی۔ نیز موجودہ میں الاقوامی صورت حال یہود کے کردار اور حزب اشیان کے کردار اور اس کی چالوں پر گنتگو ہوئی۔ احادیث میں وارد فتنہ دجال اور الملحمۃ العظیمی پر امیر محترم نے اپنی رائے پیش کی۔ تمام علماء نے بڑی دلچسپی سے امیر محترم کی گنتگو سنی۔ محسوس ہوا کہ شاید پہلی مرتبہ ان کے سامنے یہ ساری باتیں آرہی ہیں۔ قیامت کے بارے میں ایک عالم دین کا خیال تو یہ تھا کہ یہ ابھی کافی دور کی بات ہے اور یہ کہ جب تک انسان تمام کائنات (Forces of nature) پر قابو یافتہ نہیں ہو جاتا قیامت نہیں آئے گی۔ توجیہہ اس کی یہ بیان کی گئی کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور نائب کے پاس بھی اصل مالک کے اختیارات کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر امیر محترم نے برجستہ کہا کہ ایسا شخص تو ”دجال“ ہو گا۔ جس پر ایک ققبہ لگا۔ امیر محترم نے اپنی شیعہ سنی مذاہمت والی تجویز یہاں بھی دہرائی۔ اس پر تمام حضرات نے خاموشی اختیار کی اور مثبت یا منفی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔

۱/۲۰ اکتوبر کے روز ہمیں تہران کی دو یونیورسٹیوں میں لے جایا گیا۔ یونیورسٹی کو دانش گاہ کہا جاتا ہے۔ دانش گاہ امام صادقؑ اصل میں پوشت گر بجھ بیٹ یونیورسٹی ہے اور صرف لڑکوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس دانش گاہ میں ۸۰۰ طلبہ اور ۸ فیکٹریز ہیں۔ رئیس دانش گاہ آیت اللہ مددوی ہیں موصوف قبل ازیں وزیر اعظم وزیر داخلہ بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے معافون جمۃ الاسلام سید احمد علم الدین ہیں۔ ان سے خاصی طویل گنتگو رہی۔ یونیورسٹی کا تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس یونیورسٹی میں علوم اسلامی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، چنانچہ یہاں مختلف فیکٹریز کے نام کچھ یوں ہے : علوم اسلامی و سیاست، علوم اسلامی و اقتصادیات، علوم اسلامی و تاریخ، علی ہذا القیاس۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ایسی ہی ایک یونیورسٹی کا قیام ان کا ایک خواب تھا جو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں دیکھا تھا، جس کی ایک جھلک انہیں یہاں نظر آئی ہے۔ ان کا اشارہ اس قرآن یونیورسٹی کی جانب تھا جس کا نقشہ انہوں نے اپنے کتابچے ”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“ میں پیش کیا ہے، یعنی ایک ایسی یونیورسٹی ہو جس میں قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے شعبہ جات ہوں۔ امام صادق یونیورسٹی کا تعلیمی معیار خاصاً ہند ہے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ پاکستان سے بھی کچھ

طلبہ نے اس یونیورسٹی میں داخلہ کیا تھا لیکن اس کے سخت قسمی ڈپلمن کی وجہ سے وہ یہاں چل نہیں سکے۔

نماز ظہر ہم نے اس یونیورسٹی کے Paryer Hall میں ادا کی۔ نماز ظہر کے بعد امیر محترم کو ۱۵ منٹ اطمینان خیال کا موقع دیا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر محترم نے دو احادیث کے حوالے سے گفتگو کی۔ حضرت نعیمان ابن شیر سے مروی حدیث : ”تکون النبوة فیکم ماشاء اللہ ان تکون.....“ اور حضرت ثوبان ” سے مروی حدیث ”ان اللہ زوی لی الارض.....“ امیر محترم کی گفتگو انگریزی زبان میں تھی جس کو اگرچہ پوری طرح توبت کم حضرات ہی سمجھ سکے، تاہم ان کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل مضمون سب کی سمجھ میں آ رہا ہے۔ ایران میں فارسی زبان کے بعد سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبان عربی ہے۔ خصوصاً علماء فارسی کے علاوہ اکثر پیشتر صرف عربی جانتے ہیں اور اس پر خوب دسترس رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس دانش گاہ کے تمام طلباء عربی سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ بعد میں یونیورسٹی کے ایک استاذ نے کہا بھی کہ کاش آپ عربی زبان میں گفتگو کرتے تو بت اچھا ہوتا۔ بہر حال بعد میں بت سے حضرات نے امیر محترم کی گفتگو کی تحسین کی۔ چند ایک طلبہ کو فارسی زبان میں ”قرآن مجید کے حقوق“ بھی پیش کئے گئے۔ اپنی اس گفتگو کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں بھی ”اذان خلافت“ دے دی ہے۔ امیر محترم کا یہ خطاب ظہر اور عصر کی نمازوں کے مابین ہوا جو اہل تشیع کے یہاں ”ظہرین“ کے نام کے ساتھ ہی ادا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۵ منٹ کا یہ خطاب نماز ظہر کے بعد شروع ہوا اور عصر سے قبل ختم ہو گیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم دانش گاہ الہڑاء پہنچے۔ یہ یونیورسٹی صرف طالبات کے لئے ہے۔ البتہ اساتذہ میں مرد حضرات بھی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالکریم شیرازی نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں ہمارے لئے ایک استقبالیہ بینر بھی لگایا گیا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی Head of Theology Deptt. ہیں۔

امیر محترم نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کے قیام پر انہیں مبارکباد پیش کی۔ پاکستان میں لوگوں کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کا قیام اہل پاکستان کا ایک دریافتہ مطالبہ ہے، کئی مرتبہ اس کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے بھی اس کا عزم کیا تھا لیکن افسوس کہ تا حال یہ خواب شرمندہ تھیں رہنے ہو سکا۔ الہڑاء یونیورسٹی میں Ph.D., M.A., M.Sc., B.A., B.Sc. اور M.Phil. کے علاوہ کچھ مضمومین میں M.Phil. بھی کروائی جاتی ہے۔ بتایا گیا کہ اس وقت ۵۰۰۰ کے قریب طالبات یہاں

زیر تعلیم ہیں، جن سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ ہوش میں رہائش کا بھی کوئی خرچہ نہیں لیا جاتا۔ صرف طعام کا خرچ لیا جاتا ہے اور وہ بھی subsidised ہے۔ کل وقتی ۲۵۰ اساتذہ میں سے ۱۵۰ خواتین ہیں۔ اس کے علاوہ ۳۰۰ اساتذہ جزو وقتی visiting professors ہیں۔ یونیورسٹی کے اندر بھی تمام طالبات ایرانی حجاب میں تھیں۔ ہمیں کافرنس روم میں بھایا گیا۔ تھوڑی دیر میں واکس چانسلر جناب ڈاکٹر کوہیان بھی تشریف لے آئے۔ دوپر کے کھانے کا انتظام بھی تھا۔ کھانے کے دوران اس یونیورسٹی کے بارے میں معلومات کے علاوہ زیاد موضوعات پر بھی گفتگو جاری رہی۔ انقلاب کے بعد ایران کے معاشر نظام کے حوالے سے ڈاکٹر موصوف نے تسلیم کیا کہ ہم معاشر نظام میں اسلام کے حوالے سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں لاسکے۔ واکس چانسلر نے کہا کہ ہم اس کے لئے کوشش ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ شیعہ سنی کے مابین بعد کو دور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ جو شیعوں نے حضرت فاطمہ (ع) کو اپنے لئے الاث کر لیا ہے اور سینوں نے حضرت عائشہ (ع) کو تو اگر حضرت خدیجہ (ع) کی شخصیت کو اجاگر کریں کہ وہ حضرت فاطمہ (ع) کی والدہ بھی تھیں اور بالاتفاق ”الصدیقة الکبریٰ“ بھی اور اسلام قبول کرنے میں بھی اول تھیں، جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی حضورؐ کے قدموں میں پچاہو کر دیا اور اس وقت حضورؐ کی انتہائی دلچسپی فرمائی جب خود حضورؐ پر اس نئے اور انوکھے تجربہ (وہی الٰہی کے نزول) کی وجہ سے گھبراہٹ کے آثار تھے۔ چنانچہ دونوں حلقوں کی جانب سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے تو تفرقہ کی موجودہ فضا کو ختم کرنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ حاضرین نے امیر محترم کی اس رائے سے اتفاق کیا۔

سپر ۲ بجے پاکستانی سفارت خانہ جانا ہوا۔ انفرمیشن سینکڑی جزل جناب نصلی الرحمن صاحب نے استقبال کیا۔ پاکستانی سفیر جناب خالد محمود صاحب سے ایران میں موجود پاکستانیوں کے مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔ تہران میں پاکستانی سکول کرایہ کی ایک عمارت میں ہے جو کافی شکست بھی ہے۔ یہاں پر موجود پاکستانی سکول کے لئے نئی اور وسیع تر عمارت خریدنا چاہتے ہیں لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اجازت نہیں مل رہی۔ دیگر باہمی وچھی کے موضوعات بھی زیر بحث آئے۔

رات کا کھانا داش گاہ مذاہب الاسلامی کے رئیس ڈاکٹر تبیان کے ہاں تھا۔ یہ داش گاہ ابھی حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی رہائش بھی اسی عمارت میں ہے۔

Comparative Study کے اس پوسٹ گرینجویٹ کالج میں طلبہ کی تعداد ۱۰۰ ہے۔ طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ چیڈیہ طلبہ کو وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ کھانے کے موقع پر چند مزید شخصیات سے بھی ملاقات ہوئی جیسے ڈاکٹر سید مصطفیٰ میر داماد جو تران یونیورسٹی میں visiting professor مدنی کا تعلق اپنی بلوچستان سے ہے۔ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت صدر ایران رفیجانی کے نہیں مشیر برائے سُنیٰ امور ہیں۔ مولانا اسحاق مدنی سے بھی یہیں ملاقات ہوئی۔ مولانا اسحاق مدنی کا تعلق اپنی بلوچستان سے ہے۔ مولانا اسحاق مدنی سے بھی یہیں ملاقات ہوئی۔ مولانا اسحاق مدنی کے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی۔

کھانے کے اس اجتماع کے موقع پر بھی مختلف موضوعات پر ٹکنگو جاری رہی۔ امیر محترم نے انجمن و تنظیم کا تعارف اور ان کے دائرہ کار کو واضح کیا۔ سیرت نبویؐ کی روشنی میں اپنے منجع انقلاب کو واضح کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ انقلاب کے آخري مرحلہ کے لئے جناب عینی کی سربراہی میں برباد کیا گیا انقلاب ایران مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ افغانستان کی صور تھال اور اس میں طالبان کا کردار بھی زیر بحث آیا۔ امیر محترم نے سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کے بعد اب عوام الناس کی جانب سے اس انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے یا کہی ہو رہی ہے؟ یہ سوال چونکہ بالکل غیر متوقع تھا اس لئے پہلے لوگوں مول ساجواب ملا کہ عوام حکومتی اجتماعات میں کشیداد میں شریک ہوتے ہیں، نیز یہ کہ انقلاب مخالف لوگ اگرچہ موجود ہیں لیکن بہت قلیل تعداد میں اور دبے ہوئے ہیں۔ لیکن بعد ازاں جناب غفاری نے تسلیم کیا کہ انقلاب کے بعد لوگوں کے لئے معماشی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ توہین الاقوامی منگانی اور بہت سے ممالک کی جانب سے تجارتی یا یکاٹ بھی ایک عالی ہے۔ نیز ۸ سال کی ایران عراق جگ نے معیشت کو بربی طرح متاثر کیا ہے۔ تاہم جناب غفاری نے کہا کہ حکومت ایران نے بہت سے ترقیاتی منصوبے شروع کر رکھے ہیں، مثلاً بیسیوں کی تعداد میں ذمہ تغیر ہو رہے ہیں، ہیئتکاروں فیکشیاں زیر تغیر ہیں، ظاہر ہے کہ حکومت کو ان منصوبوں پر کشیر قم خرچ کرنا پڑ رہی ہے، لفڑا عوام کے لئے معماشی مسائل توہینا ہیں، لیکن جناب غفاری نے کہا کہ عوام اس بات کو سمجھتے ہیں اور بقول ان کے انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایران میں بعض اداروں میں تو مرونوں اور عورتوں کے دائرہ کار کو علیحدہ کیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اہتمام نہیں ہے، مثلاً مرونوں کے ہسپتال میں خواتین نر سین مام کرتی ہیں۔ ایسے ہوش کسی محض کے

بغیر دور در از کا سفر کرتی ہیں جو دینی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جناب غفاری نے اس ضمن میں بھی حکومت کی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

۱۱/۲۱ آگسٹ - آج صبح و بجے پاکستانی سکول میں اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات اور خطاب کا پروگرام تھا، لیکن امیر محترم کی طیعت اچانک بست ناساز ہو گئی جس کی بنا پر یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ سارے ہے دس بجے رہبر انقلاب جناب آیت اللہ خامنہ ای سے ملاقات کا وقت طے کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کارروز علماء اور اہم شخصیات سے ملاقات اور بدھ کا دن عوام الناس کے لئے منقص ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ہماری ان سے ملاقات اسی اجتماعی ملاقات کے حوالے سے تھی، خصوصی نہ تھی۔ تاہم یہ اجتماعی ملاقات ایک لحاظ سے ہمارے حق میں ہتری ثابت ہوئی، جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ رہبر انقلاب کے لئے یکورٹی کے بہت سخت انتظامات کئے جاتے ہیں۔ ملاقاتی کو کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ ہماری گھریلوں، پن، بٹوے، ڈائریاں وغیرہ سب رکھوالی گئیں۔ کسی کیرے یا شیپ ریکارڈر کے لے جانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اس سب کے باوجود دو مرتبہ ایک خاص دروازے (غالبًاً Metal Detector) سے بھی گزارا جاتا ہے اور تلاشی بھی لی جاتی ہے۔ یہ تو چاہو اکہ عین اس موقع پر آیت اللہ تسبیحی تشریف لے آئے جن کی وجہ سے امیر محترم کے لئے بست آسانی پیدا ہو گئی۔ رہبر انقلاب جناب خامنہ ای سے اجتماعی ملاقات میں قریباً ۵۰ کے قریب حضرات موجود تھے۔ کچھ لوگ اپنے مسائل بھی بیان کر رہے تھے جو فارسی زبان میں بیان کئے جانے کے سبب ہمارے لئے ناقابل فہم تھے۔ تھوڑی دیر بعد جناب خامنہ ای ہماری جانب متوجہ ہوئے اور خشنی گفتگو میں ہمارے (امیر محترم + وفد) لئے استقبال اور خیر سکالی کے کلمات کے۔ امیر محترم نے اپنی جوابی تقریر میں شکریہ کے بعد اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروا یا۔ تنظیم اسلامی کے ہدف اور اس کے طریق کا رخاں طور پر انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے انقلاب ایران سے رہنمائی حاصل کرنے کا تذکرہ کیا۔ نیز پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے شیعہ سنی مذاہمت کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے بعد اس مذاہمت کے لئے اپنے فارمولے کا ذکر کیا۔ گویا امیر محترم نے مختصر لفاظ میں تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس وقت کے بین الاقوامی حالات کے پارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ یہ ملاقات اس لحاظ سے اہم تھی کہ ساری باتیں ایران کی اس وقت کی سب سے بڑی شخصیت کے ساتھ ساتھ بست سے اہم حضرات کے سامنے بھی آگئیں اور اس طرح یہ "اجتماعی ملاقات" ایک اعتبار سے مفید تر ہو گئی۔ جناب خامنہ ای نے بعد میں فرمایا کہ آپ کی باتیں بڑی تیبی اور قابل

غور ہیں۔

چار بجے سہ پر پیس کانفرنس سے خطاب تھا۔ بتایا تو یہی گیا تھا کہ یہ پیس کانفرنس اگریزی زبان میں ہو گی لیکن وہاں موجود اکثر صحافی اگریزی سے نادا قفل لئے، لہذا دو طرفہ ترجیحی کی وجہ سے کافی وقت صرف ہو گیا۔ امیر محترم نے قریباً ۲۵-۲۰ منٹ خطاب کیا۔ امیر محترم نے تفصیلاً اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروایا۔ تنظیم اسلامی کے اہداف، اس کے طریق کار اور تنظیمی اساس کا ذکر کیا۔ گویا بیعت کا تذکرہ یہاں بھی تفصیل سے ہو گیا۔ نظام خلافت کی بات بھی ہوئی اور یہ کہ تنظیم اسلامی اول اپاکستان اور بالآخر پوری دنیا پر نظام خلافت کی جدوجہد کے لئے قائم کی گئی ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہمارا ہدف اگرچہ بہت بلند ہے لیکن ہماری تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ ہم اپنی فلم اور سوچ کے مطابق سیرت کی روشنی میں صحیح سمت میں گامزن ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ پاکستان اور ایران میں حقیقی دوستی اور تعاون کی مکمل تحریک پیدا ہو سکتی ہے جب پاکستان میں بھی اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ پاکستان میں نظام خلافت کے لئے شیعہ سنی مفاہمت ضروری ہے اور اس کے لئے واحد قابل عمل فارمولاؤسی ہے جس کا ذکر کہ ایران کے آئین میں کر دیا گیا کہ چونکہ اکثریت شیعہ مسلمانوں کی ہے لہذا یہاں پہلک لا توقفہ جعفریہ کے مطابق ہو گا ہاں البتہ پرستل لاء میں سینوں کو آزادی ہو گی کہ وہ اپنی عبادات اور نکاح، طلاق کے معاملات کو اپنی نقد کے مطابق طے کر لیں۔ جناب آیت اللہ واعظ زادہ کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ جناب ثقیل کاموقف یہی تھا کہ مسلمان ممالک میں جس نقد کو ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں پہلک لاء وہی ہو گا، تاہم دوسرے لوگوں کو پرستل لاء میں مکمل آزادی ہو گی۔ اسی اصول کو اگر پاکستان میں ہمارے شیعہ بھائی تسلیم کر لیں تو یہاں نفاذ اسلام میں بڑی سولت پیدا ہو جائے گی۔ اسی صورت میں پاکستان، ایران، افغانستان اور روسی ترکستان کی نو آزاد مسلم ریاستوں پر مشتمل مضبوط اسلامی بلاک نیورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکتا ہے ورنہ ہمارا دشمن ہمیں ایک ایک کر کے اپنا نارگٹ بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ میں ایران کے عوام اور حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے تعلقات کو جوان کے پاکستان میں شیعہ حضرات کے ساتھ ہیں استعمال کرتے ہوئے انہیں اس فارمولاؤ قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

امیر محترم کے بیان کے بعد چند ایک سوالات بھی کئے گئے، مثلاً ایک سوال یہ تھا کہ کیا

پاکستان میں جو انقلاب پیش نظر ہے وہ نظریاتی ہو گایا میسا ی؟ امیر محترم نے فرمایا کہ سیاست اسلام کا جزو ہے اس لئے یہ ایک مکمل انقلاب ہو گا، لیکن یہ ایکیش کی سیاست سے نہیں آئے گا۔ کیا یعنی ایکیش کے ذریعے ایران میں انقلاب لاسکتے تھے؟ ہرگز نہیں ۱۱ سی طرح ہم پاکستان میں ایکیش کے ذریعے اسلامی انقلاب نہیں لاسکتے۔ ایک سوال یہ تھا کہ کیا باہر کی حکومتیں پاکستان میں شیعہ سنی فرقہ بندی کو ہوادے رہی ہیں؟ امیر محترم نے جواب دیا یقیناً اچانچہ امریکی دانشور میں The Clash of civilizations? Huntington کے مقابلے کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ”نیشن عقرب نہ ازپے کین است۔ اتفاقے طبیعتیش این است“ کے مصدقہ ہمارے دشمن کی دشمنی کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیں کمزور کرنے کے لئے ہر حرہ استعمال کرے۔ یہ تو ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم اس کا توڑ کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ پرلس کانفرنس بہت سے اعتبارات سے بڑی اہم رہی، لیکن افسوس کہ میڈیا نے اس کو زیادہ تماںیاں نہیں کیا، بلکہ محسوس ہوا کہ ذراائع ابلاغ کی جانب سے ہمارے دورے سے صرف نظر کی پالیسی اپنائی گئی تھی۔ مثلاً رات کو ٹیلی ویژن کی خبروں میں جناب خامنہ ای کی آج کی اجتماعی ملاقات کو ٹیلی کاست کیا گیا جس میں یقیناً حاضرین کو تو دکھایا گیا ہماری کوئی جھلک نہیں آئے پائی۔ ٹیلی ویژن کا تذکرہ آیا ہے تو ایرانی ٹیلی ویژن کی جو بات قابل تعریف ہے اس کو بیان نہ کرنا زیادتی ہو گی کہ ایرانی ٹیلی ویژن عربی اور فاشی سے مکمل طور پر پاک ہے۔ پروگرام عموماً با مقصد ہوتے ہیں۔ عورت کو دکھایا بھی جاتا ہے تو ”حجاب“ میں اور میک اپ کے بغیر۔ جو تھوڑے بہت ذرا سے دکھائے جاتے ہیں ان میں بھی عورت ”حجاب“ میں ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ ایرانی ٹیلی ویژن کو بلا جھگ اپنے الی خانہ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں، جو پاکستان میں تو ناممکن ہے۔

پرلس کانفرنس کے بعد ریڈیو کی عربی سروس والوں نے امیر محترم کا ۱۵ امت کا اثریو یو ریکارڈ کیا جبکہ اردو سروس کے نمائندے سید امیر علی ہوٹل میں اثریو یو ریکارڈ کرنے کے لئے آئے۔ یہ اثریو یو قریباً ایک گھنٹہ پر مشتمل تھا۔ ریڈیو کی اردو سروس کو امیر محترم نے اپنی کتابوں کا مکمل سیٹ ہدیتا پیش کیا۔ اردو سروس کے عملی کاشکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ اگلے ۱۱ روز انہوں نے اس اثریو یو کی آڈیو کیسٹ ہمیں فراہم کر دی۔

۱۱ اکتوبر۔ آج کا دن مشد کے لئے منعقد تھا۔ الی تشیع کے نزدیک یہ نہایت مقدس شر ہے جس میں ان کے آٹھویں امام جناب علی رضاؑ مدفن ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے مزار کو حرم

کہتے ہیں۔ یہ شرتران سے قریباً ۹۵۰ کلو میٹر دور ہے۔ فلاٹ نے ایک گھنٹہ دس منٹ لئے۔
ہمارے لئے یہاں کا visit اس لئے بھی اہم تھا کہ ہمارے اصل میزان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ملاقات یہیں ہوتا تھی۔ یاد رہے کہ مشد ایران کے موجودہ صوبہ خراسان کا ایک اہم شر ہے۔ جبکہ وہ خراسان جو کہ حضور ﷺ کے وقت میں تھا وہ جس کو اہل ایران کی اصطلاح میں ”خراسان بزرگ“ کہا جاتا ہے، ایران کے اس حصے کے علاوہ قرباً پورے افغانستان، روی ترکستان اور پاکستان کے شمالی علاقوں کے ایک اہم حصے پر مشتمل ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اسی ”خراسان بزرگ“ کے بارے میں حضور کی پیشیں کوئی موجود ہے کہ یہاں سے سیاہ پر چم چلیں گے (یعنی اسلامی افواج) جنہیں کوئی شے و اپنی نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیا (ایت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں گے۔

مشہد میں ہمیں ایک بہت بڑی لاہوری دکھائی گئی جو اپنی نوعیت کی منفرد لاہوری ہے۔ اپنی خوبصورتی، وسعت، اور جدید سولیات کے حوالے سے اس کا visit ہمارے لئے ایک خوبگوار چیز کا سبب بنا۔ لاہوری کی عمارت تین منزلہ ہے۔ ایک بہت بڑا سکپوزیم اور دو و سینچ و عریض دار المطالع ہیں۔ کتابوں کی Cataloging تعداد ۵ لاکھ ہے۔ کام بہت عمدہ انداز میں کمپیوٹرائزڈ ہے۔ لاہوری کی اپنی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے درمیان میں ایک ستون نبی اکرم ﷺ کے درود شریف کے موقع پر تعمیر ہونے والی مسجد یعنی مسجد قبا کی اولین تعمیر کی طرز پر بنایا گیا ہے جس کے درمیان کبھور کے تنے کا واحد ستون تھا۔ چھت پر لکڑی کا کام بہت عمدہ انداز میں کیا گیا ہے۔ چاروں کونوں میں ”اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ“ کے الفاظ روشنی پھیلاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ جگہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اسی کے ساتھ ایک کمپلیکس میں ”دانش گاہ“ بھی ہے۔ اسی دانش گاہ میں ہماری ملاقات جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ہوئی۔ جناب واعظ زادہ انگریزی زبان نہیں سمجھ سکتے لہذا اترجم کے ذریعے گفتگو ہوئی۔ ”دانش گاہ“ کا تعارف کروایا گیا۔ اس وقت ۲۰۰ طالب علم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے لئے تعلیم، رہائش، کھانا اور دیگر روزمرہ کی ضروریات بالکل مفت میا کی جاتی ہیں۔ لاہوری اور دانش گاہ ایک بہت بڑے کمپلیکس پر محیط ہیں۔ امیر محترم نے اگرچہ اکثر و پیشتر وہیل چیز کی سوت سے استفادہ کیا جو ہم پاکستان سے ہی ساتھ لے گئے تھے لیکن بعض جگنوں پر سیڑھیاں بھی تھیں اور کچھ پیدل چلنے کی وجہ سے امیر محترم کائن محسوس کر رہے تھے لہذا وہ پر امیر محترم نے ہوٹل میں آرام کیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس دوران بازار کا ایک چکر

لگائیں گے لیکن معلوم ہوا کہ یہاں "قیولہ" کے لئے دوپر کے اوقات میں تمام بازار بند رہتے ہیں۔ ناچار ہمیں بھی آرام کرنا پڑا۔

شام کو جناب علیؐ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ لاہور میں ۵ سال تک قونصل جزل کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل وزارت خارجہ سے منسلک ہیں اور مشد میں قیام پذیر ہیں۔ رات کی فلاٹ سے ہم واپس تہران کے لئے عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔

۱۲۳ / آکتوبر ہماری پاکستان واپسی کا دن تھا۔ جناب واعظ زادہ نے ناشتہ ہمارے ساتھ ہوٹل ہی میں کیا جاں قرباً ایک گھنٹہ تک امیر محترم کی ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو جاری رہی۔ مثلاً اسلامی حکومت میں تعازیات کے حل کے لئے کس سے رجوع کیا جائے۔ جناب واعظ زادہ نے تسلیم کیا کہ ہمارے ہاں اس قسم کے ادارے ابھی پوری طرح مستحکم نہیں ہوئے، ابھی تو شخص واحد (رہبر انقلاب) کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ ریاستی سطح پر ابھی بہت سی باتیں یہاں طے کرنا باتی ہیں۔ امیر محترم نے اپنا فکر پیش کیا کہ آج کے حالات میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں قابل عمل صورت یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتیں کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ اس کا فیصلہ کریں جبکہ علماء اور اہل علم اپنے دلائل کے ذریعے عدالتیں کی رہنمائی کریں۔ اس قسم میں اگر شخص واحد یا علماء کے بورڈ کے حوالے یہ کام کر دیا جائے تو یہ روح عصر کے منانی ہو گا۔ امیر محترم نے محسوس کیا کہ اگر خطبات خلافت کافاری ترجمہ کر کے ہم ان حضرات تک پہنچا سکیں تو شاید ہمارا نقطہ نظر ان حضرات پر اچھی طرف واضح ہو جائے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے علمی مسائل زیر بحث آئے: جن سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں ہے۔ مقامی وقت کے مطابق ۹ بجے میزان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے رخصت ہو کر ہم "فروود گاہ" یعنی میر پورہ کی جانب روایہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی نے ایک طغہ اور مختلف کتابیں ہدیتا پیش کیں۔

اس پورے سفر کے دوران جناب واعظ زادہ کے پرنسپل اسٹنٹ میر آقائی، جناب عبد الحمید طالبی اور جناب انصاری نے ہر وقت ہماری ضروریات کا خیال رکھا اور حق میزانی ادا کر دیا۔ عربی زبان میں "سفر" کے معنی روشنی کے بھی ہیں اور یقیناً سفر سے حقائق و واقعات کے ضمن میں روشنی حاصل ہوتی ہے۔ برعکمال اس سفر سے جو روشنی ہمیں حاصل ہوئی اس کا کچھ حصہ میں نے آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔ ٹھر گر قبول افتد زہے عز و شرف!

دورہ ایران

مشاہدات و تاثرات

امیر تنظیم اسلامی کا کیم نومبر ۱۹۹۶ء کا خطاب جمعہ

شائع شدہ "میثاق" دسمبر ۱۹۹۶ء

خطبہ مسنونہ اور حلاوت آیات کے بعد فرمایا :

مجھے آج اپنے "دورہ ایران کے تاثرات و مشاہدات" کے موضوع پر لفڑکو کرنا ہے۔ یہ موضوع جماں طوالت طلب ہے، وہاں نہایت نازک اور حساس بھی ہے، کیونکہ اس معاملے میں ذرا سا بھی ادھر ادھر ہو جانے سے بست سے فتنے کڑے ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اپنے خیالات کو مرتب کرلوں۔ پھر یہ کہ اس دورے کے تاثرات و مشاہدات کے بیان سے قبل مجھے اس کا کچھ پس منظر بھی بیان کرنا ہے تاکہ پوری بات یکجا اور واضح ہو کر سامنے آجائے۔ وقت محدود ہے، تاہم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ "مَاقِلَّ وَدَلَّ" کی کیفیت عطا فرمادے اور میں اپنے موضوع کو کم وقت میں سمیٹ لوں۔

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سنی مسلمہ کے بارے میں اپنا ذاتی موقف ترتیب وار نکات کی صورت میں واضح کر دوں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

پہلا نکتہ حقیقی فرقہ دو ہیں

میں نے بارہا کہا ہے اور اب بھی اس موقف پر قائم ہوں کہ مسلمانوں میں حقیقی فرقہ صرف دو ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرائی باتی تقسیمیں بھی اگرچہ موجود ہیں اور ان کے درمیان شاید مجاز آرائی بھی پائی جاتی ہے، تاہم وہ فرقے نہیں بلکہ مختلف مکاتب فکر، ممالک اور فقی مذاہب ہیں، جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور سلفی وغیرہ۔

اس کے بعد احتجاف میں دیوبندی اور بریلوی کی ذیلی تقسیم بھی ہے اور ان دونوں کے مابین شدید تھی اور کشیدگی موجود ہے، لیکن یہ دونوں اصلاً ایک ہی فقہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کے بنیادی تصورات تقریباً ایک جیسے ہیں۔ اہل تسنن کی طرح اہل تشیع میں بھی ذیلی تقسیم موجود ہے۔ مثلاً امام علی اور ائمۃ عشری وغیرہ۔

حسوساً فکته : میرا تعلق اہل سنت سے ہے

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں زور دے کر کہہ رہا ہوں کہ میں سنی مسلمان ہوں اور اہل سنت کی ذیلی تشکیموں سے قطع نظر اپنے نام کے ساتھ ”اہل سنت“ کا سابقہ برقرار رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فقی معاملات میں اکثر و پیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو بڑے بڑے مسلم فلاسفہ اور متكلّمین کا عقائد کے بارے میں رہا ہے، جیسے امام رازی نے اپنے انتقال کے وقت کہا تھا : ”آمُوتُ عَلَى عِقِيدَةِ أُمِّي“ (میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر جان دے رہا ہوں) یعنی مختلف کلامی بحیثیں، ان کی تفاصیل اور دلائل اپنی جگہ لیکن ان کا بنیادی عقیدہ بقول ان کے وہی تھا جو ان کی والدہ کا تھا۔ یعنی یہی معاملہ میرا ہے۔ فقی معاملات میں اکثر و پیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو یہیے والدین کا تھا۔ وہ حنفی المسلک تھے (غَفَرَ اللَّهُ لَهُمْ) میں بھی اکثر و پیشتر احتجاف کی پیروی کرتا ہوں۔

لیکن جن معاملات میں کسی وجہ سے تحقیق و تفییض کی ضرورت پیش آجائے تو میں نے ان کے چمن میں اپنے لئے دو باتیں ملے کی ہیں۔

اولاً : یہ کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اہل سنت کے چاروں مکاتب فکر حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی متفق ہوں تو وہ معاملہ اگرچہ عقلًا میری ذائقی رائے میں نہ آئے تب بھی اس میں تقلید کا پابند ہوں اور ان مسالک سے باہر نکلنے کو جائز نہیں سمجھتا، کیونکہ ایسا تو صرف مجتہد مطلق ہی کر سکتا ہے جبکہ میں تو محض ”مجتہد“ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

ثانیاً : اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس کے متعلق ہمارے مکاتب فکر کے درمیان اختلاف رائے پایا جائے تو اس میں ترجیح کا معاملہ کر لیتا ہوں۔ جدید فقی اصطلاح میں اسے ”تلفیق بین المذاہب“ کہا جاتا ہے۔ اسے اگرچہ بعض لوگ جرم سمجھتے ہیں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس اعتبار سے جس موقف پر میں ایران گیا تھا، اسی پر واپس آیا ہوں، میرے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اگرچہ میرے بعض تاثرات بہت گھرے ہیں اور ان سے میں نے اثر بھی قبول کیا ہے (جن کا تذکرہ آئندہ صفات میں کیا جائے گا) لیکن ان کا نتیجہ یہ نہیں کہ اہل تشیع کی طرف میرا کوئی میلان ہو گیا ہو یا ان کے ضمن میں میرے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔

جاناں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے، مجھے اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ مُسْتَنِی مسلمانوں کی تنظیم ہے، البتہ یہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور سلفی مسالک کے اختلافات سے بالاتر ہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسالک سے تعلق رکھتا ہو، تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔

تيسرا نکتہ : من حیث الجماعت اہل تشیع کی تکفیر جائز نہیں

اہل تشیع کی من حیث الجماعت تکفیر کا میں قائل نہیں ہوں اور نہ ہی میرا ماضی میں کبھی یہ موقف رہا ہے، بلکہ میں انہیں مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا ہوں۔ یہ وجہ ہے کہ اگرچہ سپاہ صحابہ پاکستان کے بانی مولانا حنف نواز جھنگوی مرحوم کے جوش و جذبے اور خلوص و اخلاص کا میں بہت معرف اور قائل رہا ہوں لیکن اہل تشیع کی تکفیر کے بارے میں ان کے موقف سے مجھے کبھی اتفاق نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے کبھی ان کے موقف کی تائید و حمایت نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد ایک تعریقی جلسہ میں تقریر کے لئے مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر مغدرت کر لی کہ میں نے جب ان کی زندگی میں ان کے موقف کی تائید نہیں کی تو ان کے انتقال پر اپنی "سیاسی دوکان" چکانے کے لئے جلسہ میں تقریر کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔

جاناں تک انفرادی طور پر کسی شخص واحد کی تکفیر کا سوال ہے تو اس میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی الیکی رائے کا قائل ہے جو خلاف اسلام ہے، لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اسے چھپاتا ہے تو اس کی تکفیر بھی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ کوئی

شخص کسی خلاف اسلام عقیدہ کا قائل ہو، اور اس کا براہما ظہار بھی کرتا ہو تو اسے بلا ریب کافر قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ قادیانیوں کو اگرچہ من حیث الجماعت کافر قرار دیا گیا ہے لیکن ان کا معاملہ اہل تشیع سے بالکل مختلف ہے، اس لئے کہ انہوں نے برلا کما تھا کہ ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو بنی مانتے ہیں۔

چوتھا نکتہ: شیعہ اور سُنی مذاہب میں فرق

اب آئیے، اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ شیعہ اور سُنی مذاہب میں کیا فرق ہے اور یہ فرق کس اعتبار سے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ایمانیاتِ ٹلاش لینی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ جیسے بنیادی عقائد کا تعلق ہے، ان میں اہل تشیع اور اہل سنت میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ بعض کلامی بحثوں میں اختلافات ضرور موجود ہیں۔ مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ کہ آیا صفاتِ الہی اللہ تعالیٰ کا میں ہیں یا اللہ تعالیٰ سے جدا ہیں؟ بقول اقبال ۔

ہیں صفاتِ ذاتِ حق سے جدا یا عینِ ذات؟

امّتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

ذات و صفاتِ الہی کا یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ اور لا نخل ہے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں تین مکاتب فکر موجود میں آئے ہیں۔ ایک انتاپر معتزلہ ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ صفاتِ الہی کا وجود ہے ہی نہیں، دوسرا انتاپر اشاعرہ ہیں اور درمیان میں ماترید یہ ہیں۔ احتجافِ زیادہ تر اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تینوں مکاتب فکر کے نقطہ نظر میں اختلاف کے باوجود اشاعرہ اور ماترید یہ نے معتزلہ کو گراہ تو قرار دیا لیکن کبھی بھی ان کی عکفیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح ایمانیاتِ ٹلاش کے ضمن میں اہل تشیع کے نقطہ نظر میں جزوی یا ہاتھوی اختلافات کی بنا پر انہیں کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ جہاں تک اہل تشیع کے "امامتِ معمومہ" کے عقیدہ کا تعلق ہے، وہ میرے نزدیک بالکل بے بنیاد اور سرا سر غلط ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک مخصوصیت صرف خاصہ نبوت و رسالت ہے۔ اب چونکہ نبوت و رسالت کا دروازہ ابد الاباد تک بند ہو چکا

ہے اس لئے معصومیت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی رضوان اللہ علیہم السلام اعمین اگرچہ انتہائی برگزیدہ اور قابلِ احترام ہستیاں تھیں، لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو بھی ”معصومیت“ کی صفت سے متصف قرار نہیں دیا جاسکتا، ان سے بھی ”اجتہادی“ خطائیں ہو سکتی تھیں۔ اس عقیدہ کے حوالے سے تین باتیں قابل غور ہیں :

پہلی بات یہ کہ اگرچہ ال تشبیح امامتِ معصومہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اپنے انہم کو بعض ایسے خصالوں اور صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جو صرف نبوت کا خاصہ ہیں، تاہم وہ انہم کو بنی کے ہم پلے نہیں کہتے۔ چنانچہ امامتِ معصومہ کا تصور بہر حال نبوت سے کم تر درجے کی چیز ہے۔ اس لئے اس بنا پر ان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ دیکھئے، قانونی اعتبار سے اصول یہ ہے کہ کسی جرم پر سزا دینے کے لئے اس جرم کی کوئی مقدار معین ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام میں چوری کی سزا ”قطعی یہ“ ہے، لیکن اس کے لئے وضاحت کی گئی ہے کہ کتنی بڑی چوری پر اس سزا کا اطلاق ہو گا اور کون کون سی چوریاں اس سزا سے مستثنی ہوں گی۔ مثال کے طور پر مشترکہ مال میں سے چوری پر ہاتھ نہیں کئے گا۔ اگر کوئی شخص سڑک پر مال ڈال دیتا ہے، وہ غیر محفوظ ہے، اگر اسے کوئی شخص اٹھا کر لے جاتا ہے تو اس پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس سے کم تر سزا دی جائے گی۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ امامتِ معصومہ کا ہے کہ اس میں نبوت کی کچھ خصوصیات تو یقینانامی جاتی ہیں لیکن اسے نبوت تو نہیں مانا جاتا۔ لہذا اس سے شدید اختلاف کیا جاسکتا ہے، اسے انتہائی ضلالت و گمراہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

دوسرے یہ کہ امامتِ معصومہ کا وہ تصور جس کی بنا پر امام کو نبی کا مقام دیا جاتا ہے، وہ بالفعل صرف ”آغا خانیوں“ کے ساتھ مخصوص ہے، جن کے امام حاضر پنس کریم آغا خان ہیں۔ وہ جب پاکستان آتے ہیں تو انہیں ایک صدر مملکت کی طرح پر نوکول دیا جاتا ہے، انہیں C130 جہاز دیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ اسلام آباد سے گلگت اور چترال جاتے ہیں، انہیں معصوم عن الخطأ سمجھا جاتا ہے، احکام شریعت میں کسی بیشی اور حلال و حرام کے بارے میں انہیں صاحب اختیار تعلیم کیا جاتا ہے اور ان کی ہر یات قابل اتباع گھبی جاتی

ہے۔ امامتِ مخصوصہ کا یہ عقیدہ تو بلاشبہ بدترین گرایی ہے، لیکن یہ صرف آغا خانیوں کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرا یہ کہ ہمارے ہاں کے اثنا عشری شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اس اعتبار سے تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے کہ ان کے پہلے گیارہ امام تو اسلام کے ابتدائی اڑھائی سو برسوں کے دوران آگئے، لیکن ان کا بارہواں امام مخصوص بھی تک ”غائب“ ہے۔ گویا وہ ساڑھے بارہ سو برس سے کسی ایسے امام کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں جو مخصوص عن الخطا ہو، جس کا حکم ماننا لازم ہو، جس کو مأمور من اللہ سمجھا جائے، اور جو قرآن کی تشریح و توضیح کر سکے۔ چنانچہ اب ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اجتہاد کریں۔ یہ اجتہاد ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ہم بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے اور وہ بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے۔ البتہ ان کے سُنّت کے ذرائع (Sources) ہم سے مختلف ہے۔

اجتہاد کے ضمن میں اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ اجتہاد کے ادارے (Institution) کو فی الواقع صرف اہل تشیع نے زندہ رکھا ہے۔ اہل سُنّت نے تو عرصہ دراز سے اپنے اور پاس کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔

پانچواں نکتہ: مهدی موعود کے بارے میں دونوں فرقوں کا عقیدہ

جام تک ”الامام المهدی“ کی شخصیت کا تعلق ہے، اس پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا اس اعتبار سےاتفاق ہے کہ قیامت سے قبل ایک بڑی شخصیت ظاہر ہوگی۔ البتہ اس بارے میں ہمارے اور اہل تشیع کے نقطہ نظر میں یہ فرق ہے کہ ہم ”مهدی“ کو مجدد مانتے ہیں، میرے نزدیک وہ آخری اور کامل مجدد ہوں گے؛ جبکہ اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ یہ وہ بارہ سو برس سے روپوش رہنے والے ”امام غائب“ ہیں، جو ظاہر ہوں گے۔ گویا وہ انہیں مخصوص بھی سمجھتے ہیں لیکن ہم مخصوص نہیں سمجھتے۔

امام مهدی کی آمد کے حوالے سے ایک واقعہ طفیلہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔ میں نے ایک شیعہ عالم دین سے پوچھا کہ اگر آپ کے عقیدے کے مطابق وہی امام غائب حاضر ہو

جائیں اور دعویٰ کریں کہ میں مهدی ہوں تو کیا سارے شیعہ ائمہ تسلیم کر لیں گے؟ انہوں نے نہ کہا : ”نہیں! بہت سے یہ کہہ دیں گے کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ (گویا ”امام غائب“ کے نام سے اپنی دوکان چھکانے کی بات اور ہے اور ان کے ”ظہور“ پر انہیں فی الواقع مان لیتا و سری بات ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہودی حضورؐ کی آمد کے منتظر تھے لیکن چونکہ آپؐ پر ایمان لانے سے ان کی چودھراں ائمہ اور قیادتیں داؤ پر لگ رہی تھیں، اس لئے ایمان نہیں لائے۔)

اہل تشیع اور اہل سنت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ مهدی حضرت فاطمہ ؑ کی اولاد میں سے حضرت حسن ؑ کی نسل سے ہوں گے۔ پھر یہ کہ عرب کے مقدس شر کہ کرمہ میں ان کا ظہور ہو گا۔ گویا عملی اعتبار سے امامت مخصوصہ کے بارے میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے دونوں فرقوں میں اگرچہ کچھ فرق ضرور ہے تاہم بالفعل وہ بھی نظر نہیں آتا۔

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ جہاں تک قرآن حکیم کی محفوظیت کا تعلق ہے اس پر کم از کم اہل تشیع کے وہ علماء جو اس وقت ایران میں بر سر اقدار ہیں قطعاً کسی بُنگ و شبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے علاوہ کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو تو دوسری بات ہے۔

چھٹا نکتہ : خلفائے راشدین کے بارے میں دونوں فرقوں کا نقطہ نظر

اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اصل بنائے نزادع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفائے راشدین کی حیثیت کے بارے میں ان کا نقطہ نظر ہے۔ اور اس ضمن میں دونوں فرقوں کے مابین شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا شخصیات کے بارے میں تاریخی نزادع ہے۔ یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسے دیوبندیت اور بریلویت کا سارا اختلاف، جو گزشتہ صدی کی دو شخصیات شاہ عبدالعزیز شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی اور موجود صدی کی دو شخصیات مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات میں کوئی قابل ذکر فرق

موجود نہیں ہے، بلکہ شخصیات کے اس نزاع سے پہلے بریلویت کا کمیں نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ اسی طرح اس بار راولپنڈی میں ہمارے سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک ممتاز شیعہ عالم دین نے واضح کیا کہ ان کے نزدیک امامت اور خلافت میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، بلکہ امامت، خلافت اور امارت ایک ہی شے کے تین نام ہیں۔ لیکن شخصیات کے بارے میں اختلاف بہر حال موجود ہے۔

خلافے راشدین کی خلافت کے بارے میں تمام مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ ایک انتہا پر عالی شیعہ ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؑ پہلے امام بھی ہیں اور اصلًا پہلے ظلیقہ بھی، "حضور" کے بعد آپؐ کی خلافت بلافضل انہی کا حق تھا، لیکن ابو بکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نے ہر بار ان کا حق غصب کر کے خلافت حاصل کر لی۔ اس طرح یہ تینوں خلفاء (معاذ اللہ) غاصب تھے اور ان کی خلافت باطل تھی۔ رہا محاملہ حضرت علیؑ کا ان اصحاب کی بیعت کرنے کا، تو آپؐ نے محض تقیہ کے طور پر، ایک وقتی مجبوری اور مصلحت کے تحت بیعت کی، ورنہ انہوں نے کبھی دل سے اصحاب ملاش کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اہل تشیع کے عوام کی اکثریت اسی موقف پر قائم ہے۔ اور یہی دونوں فرقوں کے درمیان بنیادی وجہ نزاع ہے۔

اس کے مقابلے میں دوسری انتہا پر وہ تشدید مکتب فکر ہے جو ماضی قریب میں اہل سُنت میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اقتدار کے بھوکے تھے، حضرت حسینؑ بھی اقتدار کے حریص اور باغی تھے، الذاواہ واجب القتل تھے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہیں۔ ایسے دریدہ وہن لوگ چاہے ناصی ہوں یا کوئی اور ہوں، "میرے نزدیک یہ دراصل عالی شیعہ کے موقف کا ایک رو عمل ہے۔"

اس رد عمل کا خاص تاریخی پس منظر ہے۔ ۱۹۷۶ء میں جب ایران میں انقلاب آیا تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں اہل تشیع کے حریطے بہت بلند ہو گئے اور انہوں نے بڑے چارحانہ انداز میں کوششیں شروع کر دیں کہ پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب لایا جائے۔ اہل سُنت میں اس کا سخت رد عمل پیدا ہوا۔ اس رد عمل کا ایک مظہر پاہ صحابہ کا قیام ہے اور اس کا دوسرا رد عمل ان لوگوں کی صورت میں ظاہر ہوا جن کی اکثریت

حدیث اور سنت کی منکر ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سُنی کھلواتے ہیں۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت سینؓ کی توبین کرتے ہیں اور انہیں اقتدار کے حریص گردانے ہیں۔ یہ نقطہ نظر بھی انتہائی گناہ نا اور اہل سنت کے اجتماعی موقف کے خلاف ہے۔

صحابہ کرامؐ اور خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم امتعین) کے بارے میں تیرا نقطہ نظر اہل سنت کی اکثریت کا ہے۔ مذکورہ بالادو انتہاؤں کے ماہین نقطہ ہائے نظر کے بہت سے shades ہیں، لیکن ان کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ نہ تو اصحابِ ملائیؓ غاصب تھے اور نہ ہی حضرت علیؓ اقتدار کے حریص تھے، بلکہ چاروں خلفاء ”راشد“ اور برحق تھے۔ اہل سنت کی اکثریت حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ اور حضرات حسین (رضی اللہ عنہم) سے محبت رکھتی ہے، ان کی عظمت اور زہد و تقویٰ کی قائل ہے اور ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے عوام کے ہاں توجہ کے خطبوں میں بھی اکثریتی چیزیں ملتی ہیں: ”وفاطمۃ سیدۃ نسای اہل الجنۃ، وسیداً اشباب اہل الجنۃ الحسن والحسین“ چنانچہ اس میں شک نہیں کہ اہل سنت کے عوام کی اکثریت معتدل نقطہ نظر کی حامل ہے۔

ہمارے اسلاف میں سے بعض بڑی علمی شخصیات بھی معتدل نقطہ نظر کی حامل رہی ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ بر عظیم پاک و ہند کی ممتاز علمی شخصیت ہیں، میری نگاہ میں ان کا جو مقام و مرتبہ ہے اس سے آپ حضرات بخوبی واقف ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر میری طبیعت کو آزاد پھوڑ دیا جاتا تو میں صحابہ اللہ تعالیٰؑ میں سے حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہوتا، لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ صاحبین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) کی افضلیت کا اقرار کروں، اس لئے اگرچہ میلان طبع حضرت علیؓ کی طرف ہے لیکن صاحبین کی افضلیت کا اقرار کر رہا ہوں۔ اس طرح سے شاہ صاحبؒ نے اپنا میلان طبع بھی ظاہر کر دیا اور ”تفضیل“ کہلانے سے بھی بچ گئے۔

پھر علامہ اقبال کا معاملہ اس بھی آگے کا ہے۔ انہوں نے ”اہل بیت“ کی (واضح رہے کہ میں یہاں اہل بیت کی اصطلاح اہل تشیع کے مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں) جس

قدر مرح و شاکی ہے اس نسبت سے دوسرے صحابہ اللهم عنهم کی نہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ اللهم عنہا کے متعلق کہتے ہیں ۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز

از سے نسبت حضرت زہرا عزیز

یعنی حضرت مریم تو ہمیں ایک نسبت سے عزیز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں، جبکہ حضرت فاطمہ الزہرا ہمیں تین نسبتوں سے عزیز ہیں، یعنی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی، حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور حضرات حسین صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں ۔

مزرع تسلیم را حاصل بتوں ۔

مادران را اسوہ کامل بتوں ۔

اور ۔

بتوں باش و پشاں شو ازیں عصر

کہ در آغوش شیرے گیریا ।

ایسے اشعار کی وجہ سے بعض لوگ اقبال پر بھی ”تفصیلی شیعہ“ ہونے کا لیبل لگاتے ہیں۔ مجھے بھی ان کے بعض اشعار سے اختلاف ہے۔ تاہم انہوں نے صرف حضرات اہل بیت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح نہیں کی بلکہ حضرت ابو بکر صدیق صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بھی اشعار کے ہیں۔ یہ اشعار تعداد میں اگرچہ کم ہیں لیکن وزن میں کئی اشعار پر بھاری ہیں۔ مثلاً ایک شعر ملاحظہ کیجئے ہے

ہمت او کشت ملت را چوں ابر

ہانی اسلام و غار و بدر و قبر

بلاشبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اسلام کی کھیتی مردہ ہو رہی تھی۔ جمیٹی نبوت کے دعویدار کھڑے ہو گئے تھے، ماضی زکوٰۃ کافندہ زور پکو گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جماز کے چند شروں کے سوا پورا جزیرہ نماۓ عرب ارتاداد کا شکار ہو گیا ہو۔ اسلام کی اس سکپری کے دور میں کس کی ہست تھی کہ اسلام کا دفاع اور تحفظ کرتا۔ یہ حضرت ابو بکر ہی تھے جنہوں نے جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ملت کی کھیتی کو اس طرح سیراب کیا جس طرح بادل کے برنسے سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے مصرے میں

علامہ اقبال نے آپؐ کے لئے چار الفاظ ”ہانی اسلام و غار و بدرو قبر“ استعمال کئے ہیں۔ یعنی آپؐ اسلام میں داخل ہونے والے بھی آنحضرتؐ کے بعد پہلے شخص ہیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ سے بھی پہلے اسلام قبول کیا۔ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ”ہانی اشینیں“ ہونے کا شرف آپؐ کو ہی حاصل ہے۔ غزوہ بد ر کی رات جب حضورؐ اپنی جھونپڑی میں سجدہ ریز تھے تو باہر تواریں کرا بکرؔ ہی پرہ دے رہے تھے۔ پھر آنحضرتؐ کے بعد روضہ اطریں میں تدفین کا شرف بھی سب سے پہلے ابو بکرؔ ہی کو حاصل ہوا۔ اس طرح یہ چار نسبتیں ہیں جن میں ابو بکرؔ کو رسول اللہ ﷺ کا ”ہانی“ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اہل تشیع کے ہاں جو مختلف ذیلی فرقے ہیں ان میں ایک زیدی شیعہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معتدل رائے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ تفضیلی ہیں۔ یعنی ان کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، لیکن جب انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمرؓ فاروقؓ اور عثمانؓ غنیؓ کی خلافت قبول کر لی تو اب اصحاب ملاشؓ کی خلافت بھی برحق ہے۔ چنانچہ وہ ان خلفاء راشدین کو غاصب نہیں کہتے، صرف حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

اس وقت موجودہ ایران میں جدید دانشوروں کی اکثریت کوئی نے اس ضمن میں معتدل پایا ہے۔ علماء میں سے بھی بعض معتدل ہیں، البتہ بعض ابھی تک عالی ہیں۔ عوام کی غالب اکثریت عالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ معتدل شیعہ کے حوالے سے یہ بات بھی قبل ذکر ہے کہ ہمارے محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ خاص طور پر امام بخاریؓ کے بارے میں کتب تاریخ میں آتا ہے کہ انہوں نے بہت سے معتدل شیعہ روایوں سے روایات قبول کی ہیں اور بخاری شریف میں درج کی ہیں۔ یہ طرز عمل ہمارے محدثین کے اعتدال کی علامت ہے۔ اسی بنا پر اہل سنت کا ایک تشدد گروہ جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؑ کو حریص اقتدار قرار دیتا ہے، صحیح بخاری کی روایات پر اعتراض کر رہا ہے۔

ساتواں نکتہ : مقام صحابہؓ اور تنظیمِ اسلامی

جان تک خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام ﷺ کے پارے میں تنظیمِ اسلامی کے موقف کا تعلق ہے، تو ہم بلا خوف لومہ لائم کرتے ہیں کہ تنظیمِ اسلامی سنی مسلمانوں کی تنظیم ہے، اس لئے اس معاملے میں اس کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو جموروں اہل سنت کے ہیں۔ ان سب کا تذکرہ ”تعارفِ تنظیمِ اسلامی“ نامی کتاب میں کرو دیا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں ایمانیات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ چیز بہت اہم ہے، اس لئے کہ اگرچہ ہر مسلمان ”ایمان“ کا بنیادی اور اساسی مفہوم تو سمجھتا ہے لیکن ایمانیات کی تفصیلات اور جزئیات کے حوالے سے بہت سی باتیں عام لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔ مثلاً ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن ایمان باللہ کے معنی کیا ہیں؟ ہم ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن اس کا کیا مفہوم ہے؟ ہم آخرت کو مانتے ہیں، لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے تقاضے کیا ہے؟ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے لوازم کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں سے عام مسلمان آگاہ نہیں ہیں۔ ہم نے ان چیزوں کو مرتب کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے دستور سے بھی راجنمائی لی ہے، اس لئے کہ ”الحکمة ضالۃ المؤمن“ کے مصداق خیر اور بھلائی جماں سے بھی ملے اسے لے لینا چاہئے۔ لیکن جماعتِ اسلامی کے دستور میں یہ ایک بہت بڑا خلاہ ہے کہ وہاں ایمانیات کی بحث سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے ہاں اس بحث کو شامل کیا ہے۔ باقی کلمہ طیبہ اور کلمہ شادت کے معانی کیا ہیں، اللہ کو الہ مانتے اور محمد ﷺ کو رسول اللہ تسلیم کرنے کے معنی کیا ہیں، اس ضمن میں واقعتاً وہاں بڑی اچھی تعبیر و تشریح موجود ہے جسے ہم نے جوں کا توں اختیار کر لیا ہے۔

البتہ ایمان بالرسالت کے مقتضیات میں ہم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ تسلیم کیا جانا بھی ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے جو نظامِ عدل اجتماعی قائم فرمایا اور جو بعد میں خلافتِ راشدہ کے دوران قائم رہا، وہی دین حق کی صحیح ترین اور واحد مسلمہ تعبیر ہے۔ یعنی خلافتِ راشدہ فی الواقع خلافت علی منساج النبوة تھی اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہونے

والے ان خلفاء الراشدین المدین کی سنت بھی آنحضرتؐ کے بعد دین میں جدت کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ حضورؐ نے خود فرمایا :

((عَلَيْكُمْ يُسْتَبَّنِي وَسَنَةُ الْخُلُفَاءِ الرَّاشِدِينَ
الْمُهَدِّدِينَ))

”تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے۔“

اسی طرح ہم نے ایمان بالرسالت کا یہ دوسرا تقاضا بھی اضافی طور پر شامل کیا ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ آنحضرتؐ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے برآہ راست فیضیاب ہونے والے صحابہ کرامؐ من حیث الجماعت پوری امت میں افضليت مطلقہ کے حامل ہیں اور کوئی غیر صحابی، خواہ وہ تقویٰ و تدین میں کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو، کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ ہوں، شیخ علی ہجویریؒ ہوں یا معین الدین اجمیریؒ، کسی بھی بزرگ ہستی کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ سے افضل قرار نہیں دیا سکتا۔ صحابہؓ کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ ان کی تعظیم و تقدیر حضورؐ کی تعظیم ہے، اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحفیزؓ کے بغض عداوت اور آپؐ کی توہین ہے۔

ہے۔ چنانچہ صحابہؐ کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے :

((مَنْ أَحَبَّهُمْ فَيَحْبِبُّنِي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَيُبْغَضُنِي
أَبْغَضَهُمْ))

یعنی ”جس کسی نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اور جس کسی نے ان سے عداوت رکھی تو میری عداوت کی وجہ سے عداوت رکھی۔“

اس میں کوئی مشک نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے پاس کلی فضیلت معین طور پر اس طرح ہے کہ عام صحابہؓ پر ایک اضافی درجہ فضیلت ان پندرہ سو یا اٹھارہ سوا صحابہ سو اصحاب بیعت رضوان کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس بیعت کو تاریخ میں ”بیعت رضوان“ یا ”بیعت علی الموت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب پر ایک مزید درجہ فضیلت ۳۱۳ اصحاب بدرو حاصل

ہے۔ پھر ”عشرہ مبشرہ“ سے موسم دس صحابہ ”اصحاب بدر پر ایک درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک خاص درجہ فضیلت خلفاء اربعہ کو حاصل ہے۔ خلفاء اربعہ کے مابین افضیلت ترتیب خلافت کے لحاظ ہے۔ یعنی افضل البشیر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا مقام ہے، پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ارضیہم اَعْصِمُنَا)

صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام عدول ہیں۔ ان کے مابین جو اختلافات اور نزعات پیدا ہوئے وہ نفسانیت اور حرمن اقتدار کی بنا پر نہیں، بلکہ اجتماعی خطاکی بنا پر ہونے تھے۔ چنانچہ نہ تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؑ حریس اقتدار تھے اور نہ ہی امیر معاویہؓ۔ اس لئے ہمارے نزدیک کسی کو بھی سب و شتم اور الزام و ایتمام کا نشانہ بنا جائز نہیں۔ کسی واقعی یا حقیقی ضرورت کے تحت ان اصحاب کے نزعات کو زیر بحث لاتے ہوئے اگرچہ ان میں کسی ایک کو مصیب (یعنی صحیح رائے پر) اور دوسرے کو مغلی (یعنی غلطی پر) قرار دیا جاسکتا ہے، مگریہ خطا اجتماعی ہوگی۔ تاہم ہمارے نزدیک محتاط ترین طرز عمل یہ ہے کہ ان اصحاب کے باہمی اختلافات اور جنگوں کے حوالے سے کف لسان سے کام لیا جائے اور زبان کھولنے کی بجائے کامل سکوت انتیار کیا جائے۔

آنہواد نکتہ: فقہ جعفریہ اور فقہ اہل سنت میں اختلاف کی حقیقت

جماعتک فقہ کا تعلق ہے میری رائے میں، میرے علم کی حد تک فقہ جعفریہ میں ایک ”متعہ“ کے مسئلہ کے علاوہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کسی نہ کسی سنی فقہ میں موجود نہ ہو۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ اسی نوعیت کا ہے جو حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی قبیلوں کے درمیان ہے۔ یہ موقف میرا پسلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔

ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ لیفے کے درجے میں پیش کر رہا ہو۔ وہاں پر حق شفہ کا ملی زیر غور تھا۔ ایک موقع پر سید محمد رضی مجتبد نے، جو اہل تشیع کے

بہت بڑے عالم ہیں، اپنی تقریر میں یہ کماچار قسمیں سنیوں کی ہیں اور ایک شیعوں کی۔ اور مسئلہ زیر بحث میں ساڑھے تین کاموں کا طرف ہے اور ڈیڑھ کاموں کا طرف دوسری طرف ہے۔ یعنی اس مسئلے میں جو رائے حنفی فقہ کی تھی اس کی تائید میں صرف نصف رائے اور تھی، بلکہ جو رائے فقہ جعفریہ کی تھی اس کی تائید میں سنی قصوں میں سے اڑھائی آراء موجود تھیں۔ تو انہوں نے اسے اس طرح پیش کرتے ہوئے کہا کہ ساڑھے تین ایک طرف ہیں اور صرف ڈیڑھ دوسری طرف ہے، لہذا اکثریت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس پر میں نے کہا کہ مجھے صاحب آج مسئلہ حل ہو گیا! میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ فقیہ اختلافات ہیں اور ان میں بھی خاص طور پر شیعہ اور سنی کا اختلاف۔ اگر اہل تشیع یہ بات مستقل طور پر مان لیں کہ جس مسئلے میں پانچ قصوں میں سے تین متفق ہوں اس کا فیصلہ ان تین کے مطابق کر دیا جائے تو مجھے ان کا استدلال قبول ہے۔ لیکن وہ عالم فوراً کہنے لگے کہ نہیں نہیں، ہمیں یہ بات مستقل طور پر منظور نہیں۔ اس پر وہاں ایک ذریعہ مقتضیہ لگا۔ اس لئے کہ یہ تو پھر موقع پرستی ہوئی کہ ایک مسئلے میں آپ خود جو دلیل دے رہے ہیں اسے مستقل طور پر ماننے کے لئے تیار نہیں۔

نوار نکتہ: شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت

جیسا کہ بارہا واضح کیا گیا ہے کہ میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے علاوہ میں الاقوای سلطھ پر نیوورلڈ آرڈر یعنی نئے عالی یہودی مالیاتی استعمار کا سد باب اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ اہل تشیع اور اہل تسنن کے مابین مفاہمت نہ ہو جائے۔ چنانچہ میرے نزدیک شیعہ سنی مفاہمت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کو اہل کتاب کے ساتھ مفاہمت کے لئے یہ اصول دیا گیا ہے:

﴿فُلِّيَا أَهْلَ الْكِتَابَ تَعَالَوْا إِلَيْيَ ۖ كَلِمَةٌ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
الْأَنْعُبُدُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا شَرِيكَ لَهُ شَيْءًا وَلَا يَتَحَذَّبَ عَصْنَابَعَضًا
أَرْبَابًا مَنْ دُونَ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلُّوا فَقُولُوا إِشْهَدُوا بِإِيمَانَ

مُسْلِمُونَ ﴿٥٠﴾ (آل عمران: ۶۳)

”اے پیغمبر ﷺ تم کہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ مانے، پھر اگر (یہ لوگ اس بات سے) رو گردانی کریں تو (مسلمانوں ان سے) کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) ہم تو اللہ کے فرمان بردار ہیں۔“

اندازہ کیجئے کہ اگر اہل کتاب سے مخالفت ممکن ہے بلکہ اس کا حکم دیا جا رہا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ اشتراک و اتحاد کیوں غیر ممکن ہے جو مسلمان ہیں اور رسالت محمدی میں ہمارے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا رخ کیا ہے اور قرآن مسلمانوں میں کس چیز کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

سورہ آل عمران ہی کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۳ میں امت مسلمہ کے لئے ایک سہ نکاتی لائجی عمل بیان کیا گیا ہے جن میں سے درمیانی آیت میں اعظام بحیل اللہ یعنی تمک بالقرآن اور باہم اتحاد و اتفاق کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَإِذْ كُرُوا
نَعْمَتَ اللَّهُ عَنِّيْكُمْ أَذْكُرْتُمْ أَعْدَاءَ فَاللَّفَّٰتِينَ قُلُوبِكُمْ
فَاصْبَحُتُمْ بِنَعْمَتِهِ خُلُوقًا، وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَاعَ حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِّنْهَا، كَذَلِكَ فَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَهَتَّدُونَ ﴾۵۰﴾

”اور سب مل کر اللہ کی ری کو مظبوطی سے پکڑ لو اور تفرق میں نہ ہڑو۔ اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل (وکرم) سے بھائی بھائی بن گئے۔ (تمہارا حال تو یہ تھا کہ) تم دوزخ کے گھر ہے کے کنارے کھڑے تھے لیکن اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اپنی نشانیاں کھوں کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔“

یہ آیت جس پس منظر میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ قبول اسلام سے قبل اہل عرب میں

شدید اختلافات، انتشار اور جنگ و جدال پیدا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولتِ اسلام سے مالامال کر کے جنم کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ آج اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو یہ آیت ہم پر صادق آتی ہے۔ شیعہ سنی اختلافات اتنا کئی غبیر ہوتے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ افغانستان میں بھی یہ مسئلہ جنگ و جدال کی صورت اختیار کر تا جارہا ہے اور اس اختلاف کی خلیج مزید گھری ہوتی جا رہی ہے۔ اسی کاظمیہ مسئلہ افغانستان پر تران میں منعقدہ کانفرنس میں ایرانی فارن پالیسی کمیشن کے واکس چیزیں محمد جواد کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے مسئلہ کشمیر پر کھل کر بھارتی موقف کی حمایت کی ہے۔ بھارتی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ کشمیری مسلمانوں کو مکمل نہ ہی اور سیاسی آزادی ہونی چاہئے، لیکن انہیں ہندوستان کی بڑی نیملی کے اندر ہی رہنا چاہئے۔

درحقیقت اس وقت عالمی مالیاتی یہودی استعمار کی سوچی سمجھی سکیم یہ ہے کہ :
اولاً : مسلمانوں کے نہ ہی اختلافات کو ہوا دی جائے تاکہ یہ کبھی بھی واحد قوت نہ بن سکیں اور ہمیں چینچنے کر سکیں۔

ثانیاً : مسلمان ممالک سے چین کے تعلقات ختم کرو دیئے جائیں۔
یہودی رفتہ اپنی اس سکیم میں کامیاب ہو رہے ہیں، کیونکہ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس کا ایک مشاہدہ افغانستان کی موجودہ سیاسی صورتحال کے تناظر میں کیا جاسکتا ہے۔ دیکھ جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر افغانستان میں طالبان کوئی مستقل، پاکیدار اور مستحکم حکومت قائم کر لیں تو وہ ایک کثر سی خنی علاء کی حکومت ہو گی۔ اس کے مقابلے میں ایران میں پسلے سے شیعہ علماء کی حکومت قائم ہے۔ گویا اب ایک طرف شیعہ علماء کی اور دوسری طرف کثر سی علماء کی حکومت ہو گی اور اس کا لامحالہ نتیجہ دونوں ممالک کے درمیان شدید اختلافات اور کشیدگی کی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے۔ اور یہی چیز عالمی قوتوں کو مطلوب ہے۔

بمرحال احیائے اسلام اور غلبہ دین حق کے لئے شیعہ سنی مفاہمت اور اتحاد کا میں ختنی سے پسلے بھی قائل تھا اور اب مزید قائل ہو تا جارہا ہوں، اس لئے کہ اس کے بغیر

یہاں اسلام آسکتا ہے اور نہ ہی نیوورلڈ آرڈر کے زیر عنوان نے عالی یہودی مالیاتی استعمار کے پڑھتے ہوئے سیلاپ کار استر رواجا سکتا ہے۔

شیعہ سنی مفہوم کی اہمیت کے پیش نظر میرا ایک "خیال" ہے کہ تنظیم اسلامی تو اگرچہ ایک خالص اسنی المدک تنظیم ہے، اس کے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں لیکن تحریک خلافت میں شیعہ حضرات کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تعالیٰ ایک خیال اور رائے ہے، اسے فیصلہ کی شکل نہیں دی گئی، تاہم اس پر جزوی طور پر عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم خلافت کے جلوں میں اہل تشیع مقررین کو بھی بلا رہے ہیں۔

آخرہ نکتہ: پاکستان میں اہل تشیع کی حیثیت

آخری نکتہ یہ ہے کہ پاکستان میں اہل تشیع کو وہی حیثیت دستوری اور قانونی طور پر تسلیم کر لینی چاہئے جو حکومت ایران نے وہاں اہل سنت کو دی ہے۔ یعنی پاکستانی اہل تشیع کو بھی یہاں اکثری فقہ کے نفاذ کے اپنی فارمولہ کو برضاو رغبت قبول کر لینا چاہئے۔ میں نے علامہ ساجد نقوی صاحب سے اپنی ایک گزشتہ ملاقات میں بھی اپنے اس موقف کا اعادہ کیا ہے اور ایران میں بھی وہاں کی سب سے بڑی نہیں ہی شخصیت آیت اللہ خامنہ ای سمیت جس سے بھی ملا ہوں اس کے سامنے کھل کر اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ میں نے آیت اللہ خامنہ ای سے اپنی کی کہ وہ اپنے اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے شیعہ حضرات کو بھی اسی بات پر آمادہ کریں۔

سفر ایران کا پس منظر

میرے حالیہ دورہ ایران کا مختصر ساپس منظر یہ ہے کہ اگرچہ ایک زمانے میں میرا شمار بھی عالی اور متعدد سینوں میں کیا جاتا تھا، تاہم یہ بات پسلے بھی غلط تھی اور رفتہ رفتہ اس کی غلطی مزید واضح ہوتی گئی۔ خاص طور پر جب مسئلہ کشمیر کے بارے میں اخبارات میں میرے یہ بیانات سامنے آئے کہ ہمیں چاہئے کہ اقوام متحده کے پلیٹ فارم کی بجائے چین اور ایران کے بہتر تعلقات کو استعمال کر کے بھارت سے دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے یہ مسئلہ حل کریں اور پاکستان، ایران، افغانستان اور روسی ترکستان پر مشتمل ایک مضبوط

اسلامی بلاک بنائیں، تو اس کے بعد اہل تشیع کے دلوں میں میرے لئے مزید نرم گوشہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاص طور پر لاہور میں اپر انی قونسلیٹ کی طرف سے مجھے متعدد بار اپنے ہاں منعقد ہونے والی تقاریب میں شرکت کی دعوت موصول ہوتی رہی۔ براہ راست ایران سے بھی دعوت نامے آئے، آیت اللہ ثینی کی برسی کی تقریب میں شرکت کی دعوت بھی آئی، لیکن میں نے اس موقع پر صاف کہہ دیا کہ چونکہ میں برسی منانے کو بدعت سمجھتا ہوں اس لئے پاکستان میں بھی کسی کی برسی میں شریک نہیں ہوتا، لہذا آپ کے پروگرام میں بھی شرکت نہیں کر سکتا۔ دیگر تقریبات اور کانفرنسوں میں شرکت سے بھی معذرت کرتا رہا ہوں کہ میں تقریبات اور کانفرنسوں کا آدمی نہیں ہوں، اس لئے کہ میں عالم دین ہوں نہ وانشور، بلکہ ایک خادم دین اور طالب قرآن ہوں، تاہم میں انقلاب ایران کے بعد کے ایران کو دیکھنا ضرور چاہتا ہوں کہ انقلاب کے بعد کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے علیحدہ کبھی بلا میں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔

گزشتہ سال ہمارے ہاں آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی تشریف لائے، ان کی شخصیت سے میں بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے قرآن کا لج کے طلب سے خطاب بھی کیا۔ ان کی تقریر کے دوران شیعہ سنی مسئلہ کے بارے میں ان کا بھی وہی موقف سامنے آیا جو میں یہاں عرصے سے پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آیت اللہ ثینی صاحب کا بھی یہی موقف تھا کہ ہر ملک میں قانون عامہ (Public Law) اکثریت کے فقی تصورات اور تغیرات کے مطابق ہونا چاہئے، البتہ نجی قانون (Personal Law) میں سب کو آزادی دی جائے۔

اس کے بعد ایرانی قونسل کی طرف سے آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں بھی ان کی ایک تقریب میں گیا اور ایک بار کھانے کی دعوت پر بھی گیا اور آخر کار مجھے حالیہ دورہ ایران کی دعوت بھی موصول ہو گئی۔ دورہ ایران کی یہ دعوت سرکاری نہیں بلکہ نیم سرکاری تھی۔ ایران میں اسلامی ثقافت کو فروغ دینے اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں سے تعلقات مضبوط بنانے کے لئے ”سازمان ثقافت علاقات خارج“ کے نام

سے ایک ادارہ یا مجمعہ بنایا گیا ہے۔ اس مجمعہ کا ایک ذیلی ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیہ" ہے جس کا مقصد مختلف فقیہ مذاہب کو آپس میں قریب تر لانے کی کوشش کرنا ہے۔ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی اس ادارے کے ڈائریکٹر ہیں۔ یہ دعوت مجھے ان کی طرف سے ملی تھی۔ میں ایران گیا تو میرا اور میرے ساتھیوں کا قابل قدر اعزاز و اکرام کیا گیا اور خاطرتو واضح اور مممان نوازی میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ فائیو شار ہوٹل میں ہمارے قیام و طعام کا انتظام کیا گیا۔ اس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ البتہ چونکہ یہ سرکاری دعوت نہیں تھی اس لئے ذرا لمحہ ابلاغ نہ ہمارے دورے کو زیادہ کو رنج نہیں دی گئی۔ میرے ساتھ عزیزم ڈاکٹر عبدالحالق بھی تھے۔ انہوں نے دورہ ایران کی تفصیلی رپورٹ قلبند کی ہے (مذکورہ رپورٹ نومبر ۹۶ء میثاق کے میں شائع ہو چکی ہے)۔

مشابدات و تاثرات

مشابدات اور تاثرات کے حوالے سے مجھے جو نکات بیان کرنے ہیں، ان میں سے اکثر ثابت ہیں، البتہ کچھ منفی بھی ہیں۔

ثبت تاثرات

علماء کا وقار : ثابت تاثرات میں پہلی قابل ذکربات یہ ہے کہ ایران میں جا کر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہاں علماء کا ایک وقار اور عزت ہے، جبکہ ہمارے ہاں صورتحال اس کے بر عکس ہے۔ شروں میں یقیناً ہمارے ہاں بھی کچھ دینگ قسم کے علماء اپے ضرور موجود ہیں جو اپنی حیثیت بنا لیتے ہیں اور اسے منوالیتے ہیں، ان کی عزت بھی ہوتی ہے اور مساجد پر بھی وہ اپنا "اقدار" قائم کر لیتے ہیں، لیکن دیہات میں اس بجانتے ہیں کہ علماء کو "کی کاری" سے زیادہ کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ اقبال نے بھی کہا تھا ۔

قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بچارے دو رکعت کے امام!

☆ نماز جمعہ کا روح پرور منظر : دوسرا تاثر بھی اقبال کے شعر کے حوالے سے ملاحظہ
کچھ -

عیدِ آزادانِ شکوہِ ملک و دین
عیدِ حکومانِ ہجومِ مومنین

جمعہ بھی مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے، جیسا کہ حضور نے فرمایا: "الجمعة عيدُ المسلمين" اس حوالے سے نماز جمعہ کا جو مظہر ہم نے وہاں دیکھا ہے وہ پوری دنیا میں شاید کمیں اور نظر نہ آئے۔ صرف تران میں ان کے کرنے کے مطابق دس لاکھ افراد جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ہم نے جماں نماز جمعہ ادا کی وہ یونیورسٹی کا ایک بہت بڑا مختیار نہیں ہے، جس کی مزید توسعہ کی گئی ہے۔ اس کے ارد گرد باہر سڑکوں اور گلیوں میں بقول ان کے دس لاکھ افراد ہوتے ہیں۔ جماں تک ہماری ٹکاہ جاری تھی وہ بھی ایک لاکھ سے کم درج کم نہیں تھے۔ ان کی فقہ میں شاید ایک فرنسک سے کم فاصلہ پر جمعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ فرنسک غالباً ساڑھے تین میل کا ہوتا ہے۔ گواہ ساڑھے تین میل کا اور کھنچتا جائے گا تو سات میل کے حلقت کے اندر ایک ہی جمعہ ہو سکتا ہے، دوسرا نہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ اگر ایک گلی میں تین مساجد ہیں تو ہر مسجد میں چند آدمی بیٹھے ہوتے ہیں اور جمعہ ہو رہا ہوتا ہے۔

☆ اعلیٰ تعلیم کے لئے معیاری یونیورسٹیاں : میں نے ایران میں دو یونیورسٹیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک "تران یونیورسٹی" ہے اور دوسری "دانش گاہ امام جعفر صادق"۔ جماں تک تران یونیورسٹی کا تعلق ہے وہ تو پلے سے چل رہی ہے۔ البتہ دانش گاہ امام جعفر صادق ایک نئی یونیورسٹی ہے جو کچھ عرصہ قبل قائم ہوئی ہے۔ ان یونیورسٹیوں سے مجھے اتنی دلچسپی اس لئے ہے کہ میں نے ۱۹۶۸ء میں ایک خواب دیکھا تھا کہ عالم اسلام میں جا بجا ایسی یونیورسٹیاں قائم ہوئی چاہیں جن کا مرکزی شعبہ تو قرآن حکیم اور عربی زبان ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ سائنس، میکنٹس، معاشیات، اقتصادیات اور تاریخ غیرہ کے دوسرے شعبے بھی ہوں۔ قرآن اور عربی زبان کی تحصیل لازمی ہو اور باقی مضمایں میں سے جسے طالب علم پسند کرے اس میں تخصص (specialization) کر

لے۔ یہ خواب پاکستان میں تو ہنوز تشنہ تبیر ہے۔ اگرچہ میں نے قرآن کائیج اسی قرآن یونیورسٹی کی طرز پر شروع کیا ہے، جیسے کبھی سریسید احمد خان نے علی گڑھ کائیج کی بنیاد رکھی تھی اور بعد میں اسے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ لیکن ہم نے کائیج میں فریکل سائنسز نہیں رکھیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یونیورسٹی کے قیام کی توفیق مرحمت فرمادے جس کا مرکزو محور قرآن اور عربی زبان ہو۔ بہر حال میں نے ایران میں اپنے خواب کی کسی درجے میں تبیر دیکھی ہے۔ گویا بقول اقبال ۔

یاراں تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم مجو نالہ جرس کارواں رہے!

☆ خواتین یونیورسٹی کا قیام : حکومت ایران نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی بنائی ہے۔ یہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے، جس میں پانچ ہزار طالبات اس وقت زیر تعلیم ہیں۔ اڑھائی سو اساتذہ ہیں، جن میں سے ذیڑھ سو خواتین اساتذہ اور ایک سو مرد ہیں۔ مرد اساتذہ کی تعیناتی بقول ان کے وقتی مجبوری ہے۔ تمام طالبات اور خواتین اساتذہ باپر دہ نظر آتی ہیں۔ البتہ ان کے ہاں جاپ میں چہرہ شامل نہیں ہے۔ لہذا خواتین کا پورا جسم اور سراچھی طرح ذکما ہوتا ہے لیکن چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں خواتین یونیورسٹی کا پر زور مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ جزل ضباء الحق صاحب کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامی جمیعت طلبہ اور جماعت اسلامیے و میں یونیورسٹی کے لئے سروڑ کوششیں کیں لیکن حکومت کی طرف سے سوائے سبزیاب دکھانے کے اس جانب عملًا کوئی پیش رفت نہ ہو سکی اور ہنوز یہ معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن ایران میں خواتین یونیورسٹی بالفعل قائم ہے۔

مجھے خواتین یونیورسٹی جانے کا بھی موقع ملا۔ وہاں پر واٹس چانسلر اور اہم سینئر اساتذہ سے میری گفتگو بھی ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ شیعہ سنی مسئلہ میں ایک وجہ اختلاف یہ بھی کہ آپ (شیعہ) حضرات خواتین میں سے سیدہ فاطمہ الزہراء رض عینہا کی شخصیت پر بہت زور دیتے ہیں، جبکہ سنی حضرات بالخصوص عالی اور متعدد سنی سیدہ عائشہ

ضدیقت اللهم لا ينفعنا كثيرون کی شخصیت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس طرح دونوں گروہوں نے ایک ایک شخصیت کو اپنے لئے الٹ کر لیا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلے آئے ہیں، حالانکہ ہمارے نزدیک سیدہ فاطمہ زہراء اللهم لا ينفعنا كثيرون اور سیدہ عائشہ صدیقہ اللهم لا ينفعنا كثيرون دونوں محترم ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ حضرت فاطمہ ع کے بجائے ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبری اللهم لا ينفعنا كثيرون کو مرکزی شخصیت کا درجہ دیں، جو حضور صلوات اللهم لا ينفعنا كثيرون کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ع کی محنت بھی ہی تو ان کی شخصیت دونوں گروہوں کے لئے یکساں طور پر قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک مردوں میں "الصدیق الکبر" ع کا مقام حضرت ابو بکر صدیق رض کو حاصل ہے جبکہ خواتین میں "الصدیقۃ الکبری" رض کا مقام یقین طور پر سیدہ خدیجہ الکبری کا ہے۔ ان حضرات نے میری بات کے وزن کو محسوس کیا اور اس سے اتفاق کیا۔

☆ تعلیم و تعلم سے دلچسپی : ایران میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ایرانیوں کی ترجیحات میں علم و تعلیم کو اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ یونیورسٹیوں اور لا بیوریوں پر زرکشیر خرچ کیا جا رہا ہے۔ نئے تعلیمی ادارے اور تحقیقی و تفتیشی مرکز کھل رہے ہیں۔ فارسی زبان میں ایک بست بڑا ناسانیکلوپیڈیا " دائرة المعارف الاسلامیہ الکبری" کے نام سے تیار ہوا ہے۔ اس کی اب تک تمیں جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ساتھ ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے، جس کی چھ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس کی پہلی دو جلدیں ہدیہ کی ہیں۔ اہل ایران کی علم و دستی کا اندمازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں اعلیٰ ترین عمارتیں یونیورسٹیوں، لا بیوریوں، کتب خانوں اور دیگر تعلیمی اداروں کی ہیں۔ اس کے بر عکس دوسرے شعبوں میں اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ چنانچہ اگرچہ تران کراچی سے زیادہ جدید شرہ ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ایئر پورٹ کراچی ایئر پورٹ سے اچھا نہیں ہے، بلکہ لاہور کے ایئر پورٹ کی طرح ہے۔ کسی بھی قوم کی زندگی میں ترجیحات کا تعین بہت اہم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ترجیح اول کے حاصل ہے اور ترجیح ثانوی کس شے کو حاصل ہے۔

☆ قرآن حکیم کی عمدہ طباعت : قرآن مجید کی محفوظیت اور اس کے صحیح ہونے پر مجھے اپنے اس پورے سفر میں کہیں بھی کسی شک و شبہ کے آثار نظر نہیں آئے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم پر بہت کام ہو رہا ہے۔ اس کی نہایت عمدہ طباعت ہو رہی ہے۔ انہوں نے کچھ عرصہ قبل علامہ طباطبائی کی ۲۰ جلدیوں پر مشتمل تفسیر شائع کی ہے۔ یہ تفسیر مجھے بھی ہے یہ کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مقدار (quantity) کے معاملے میں سعودی عرب سے آگے نہیں جائے، اس لئے کہ سعودی عرب معاشری اعتبار سے ایک مضبوط اور مشکلم ملک ہے۔ سعودی حکومت نے قرآن حکیم کی نہایت عمدہ طباعت کر کے وسیع پیانا پر پوری دنیا میں منت تلقیم کیا ہے۔ بہرحال پھر بھی سعودی عرب کے بعد اپنے وسائل کے اعتبار سے قرآن حکیم کی جس قدر عمدہ طباعت ایران نے کی ہے، اس کی نظر کوئی دوسرا مسلمان ملک پیش نہیں کر سکتا۔

☆ مزاروں پر خرافات نہیں : ہمیں اندریشہ تھا کہ آیت اللہ ثمینی کے مزار پر ہمارے ہاں کے مزارات سے بھی زیادہ خرافات اور بدعتات ہوں گی، لیکن ہم وہاں گئے تو اس قسم کی کوئی چیز وہاں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ میں نے وہاں جا کر مسنون طریقہ سے سلام کیا：“السلام عليکم يا اهل القبور من المؤمنين والمسلمين” یغفر الله لنا ولکم“ انتم سلفنا و حن بالآخر ” پھر مزار کی طرف پیچھے کر کے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ اس پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں قم بھی گیا، اس لئے کہ وہ ایران کا بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ وہاں حضرة علیہ اور فیضیہ دو بست بڑے علمی مرکز ہیں۔ میں مسجد بھی گیا کیوں نکہ وہ خراسان کا دارالخلافہ ہے۔ خراسان سے جو مجھے دلچسپی ہے وہ آپ حضرات کو معلوم ہے۔ ان دونوں مقامات پر دو مزارات ہیں جو ان کے نزدیک مقدس ترین مقامات ہیں اور انہیں وہاں ”حرم“ کہا جاتا ہے۔ مسجد میں ان کے نزدیک آٹھویں امام مصوص امام رضا اور قم میں ان کی ہمشیرہ حضرت مصوصہ ” کے مزارات ہیں۔ ہمیں ان دونوں مزارات پر لے جایا گیا، لیکن ہم مزاروں کے اندر نہیں گئے بلکہ باہر ہی سے مسنون دعا کی، لیکن مجھے خوشنواریزت ہوئی

کہ ہمارے اس عمل سے کسی کے چرے پر ناراضی کے آثار نظر نہیں آئے اور کسی نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ ہم اندر جا کر مزار پر حاضری دے آئیں۔

دیے اپنے بارے میں یہ وضاحت بھی کروں کہ میں جو مزارات کے اندر نہیں گیا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں اسے کفریا شرک سمجھتا ہوں۔ میں تو یہاں بھی شیخ علی ہجویریؒ کی قبر پر جانا چاہتا ہوں لیکن صرف اس لئے نہیں جا رہا کہ اس سے عوام میں پائے جانے والے قبر پرستی کے مردوج خیالات اور مشرکانہ تصورات کو تقویت ملے گی۔ ماضی میں اس طرح کی ایک غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ میں کھاریاں میں پیر صاحب موہری شریف کی دعوت پر ان کی خانقاہ میں گیا۔ وہ مجھے اپنے پیر صاحب کی قبر پر لے گئے۔ پھر اس بات کا پتکڑا اس طرح بنا یا گیا کہ انہوں نے وہاں پر فوٹو کھینچ کر اخبارات میں شائع کروادیا اور یہ تاثر دیا گیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد بریلوی اور پیر پرست بن گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے پیر صاحب کی بیعت کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کے فتوں کے سد باب کی وجہ سے میں نے مزارات پر نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆ سرکاری سطح پر سادگی : ایک ثابت بدیلی یہ ہے کہ اگرچہ آیت اللہ خامنہ ای کو ایران میں بے تاج بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے لیکن ان میں ہمیں کوئی بات "شاہانہ" نظر نہیں آئی۔ ہماری بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں سادگی، شرافت، متانت، تحمل و برداہی اور وجاہت کا عظیم مرقع اور مجسمہ نظر آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسی شخصیت نہیں دیکھی۔ اتنا بلند مرتبہ حاصل ہو جانے کے باوجود ابھی تک وہ فرشی نشست پر دوز انو ہو کر بیٹھتے ہیں اور عوام اور دیگر ملاقلاتی بھی دوز انو ہو کر ان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح مکہ "سازمان ثقافت و علاقات خارجی" کے انچارج آیت اللہ تنیری بھی حلم و تواضع میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ "مرکز دائرہ المعارف بزرگ اسلامی" کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی کا ہے۔ وہ علماء میں سے نہیں۔ انہوں نے شاہ کے دور میں چودہ سال جیل کائی ہے۔ ان کو وزارت عظیمی کی پیشکش بھی کی جاتی رہی ہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو علمی کام کے لئے وقف کیا ہے۔ وہ بہت ہی شریف انسان ہیں۔ ہمیں قم پبلک لا بجریری دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ یہ لا بجریری تھا ایک شخص آیت اللہ

المرعشی نے بحث میں بیٹھ کر بنائی ہے۔ اس لا بھری ی میں پچھیں ہزار سے زائد تو مخطوطات جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے بیٹھے سید محمود المرعشی سے مل کر بھی طبیعت بہت خوش ہوئی۔ ایسی لا بھری ی میرے علم کی حد تک پورے پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی کی شرافت، متانت اور وجہت کا تو میں پسلے سے ہی قائل تھا۔

☆ مضبوط معيشت کے لئے کوششیں : ایران اپنی معيشت کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ صنعتوں کو فروغ دینے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے ایران کے بائیکاٹ اور مخالفت نے مزید تحریک پیدا کر دی ہے۔ ایسے حالات میں ایران کی کوشش ہے کہ اندھہ ستری کے میدان میں مغرب کا مقابلہ کرے۔

گویا بقول اقبال

مسلمان کو مسلمان کر دیا طوفان مغرب نے!

☆ عربی زبان سے گرا شفت : عربی زبان سے جو شفقت مجھے ایران میں نظر آیا کسی اور عجمی ملک کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور پاکستان میں تو اس کا درسواں حصہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں تو علماء بھی عربی میں گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اس معاملے میں افغان ہم سے بہت بہتر ہیں۔ بہرحال عربی زبان سے اہل ایران کی دلچسپی خوشنگوار حیرت کا باعث نہیں کہ شاہ ایران کے دور میں عربی کے خلاف مصمم چل رہی تھی اور فارسی میں سے عربی الفاظ نکال کر ان کے مترادف جدید فارسی الفاظ شامل کئے جا رہے تھے۔ لیکن اب دوبارہ عربی کی طرف مراجعت وہاں نہایاں طور پر نظر آرہی ہے۔

☆ اقبال سے محبت : ایران میں علامہ اقبال سے گھری محبت اور عقیدت پائی جاتی ہے۔ پورے ایران میں دانشور اور علماء ان کے فکر سے متفق اور متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کو وہاں اقبال "lahori" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے دلوں میں سعدی "کامقاوم ہے اور ہم انہیں سعدی "شیرازی" کہتے ہیں اسی طرح اقبال کو وہ اقبال "lahori" کہتے ہیں اور ان کے انقلابی بیان سے گرا شفت اور لگاؤ رکھتے ہیں۔

منفی تاثرات

میں چاہتا ہوں کہ مثبت تاثرات کے ساتھ منفی نکات بھی بیان کر دیئے جائیں تاکہ بات یک رفتی نہ رہ جائے۔ میرے تاثرات میں منفی نکات درج ذیل ہیں :

☆ عمومی افرادگی کی فضایا : ایرانی عوام میں بثاشت، امنگ اور ولوہ نظر نہیں آتا اور عام طور پر پورے ماحول پر افرادگی اور کچھ خوف زدگی کی سی کیفیت طازی ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرت فاطمہ " کو جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرتا ہے، حضرت علی " پر ان کے مطابق جو زیادتیاں ہوئیں اور مقام کربلا میں حضرت حسین " اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا جو واقعہ ہوا، ان واقعات کے زیر اثر اہل تشیع کا یہ ایک عمومی مزاج بن چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ افراد مزاجی اسی کا عمومی اثر ہو۔

دوسری اور اہم وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وہاں علماء کی حکومت ہے اور پاسداران انقلاب کا وہاں دبدبہ اور غلغٹہ ہے جبکہ عوام کے احساسات کے اندر بنیادی طور پر اتنی گمراہی تبدیلی تا حال نہیں آسکی کہ وہ مثبت طور پر اس سے ہم آہنگ ہو سکیں، اس بنا پر ایک جبر کی سی فضاطاری نظر آتی ہے۔

میرے یہ کہ جماں تک ہم نے معلوم کیا ہے تو ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ انقلاب ایران کی حمایت یا اس کے حق میں جذبات عام ایرانیوں میں نفوذ نہیں کر رہے، بڑھ نہیں رہے بلکہ یہ جذبات گھٹ رہے ہیں۔ ہماری وہاں پر بعض عدیداروں سے بات چیت ہوئی تو میں نے براہ راست ان سے یہ سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کی حمایت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو پسلے تو وہ بھوپنگے سے رہ گئے کہ یہ کیا سوال کر دیا۔ کہ اس کا جواب بڑا مشکل ہے، لیکن پھر کچھ گول مول جواب یہ دیا کہ ہم ترقیاتی کاموں پر بہت زیادہ خرچ کر رہے ہیں، اس لئے منگائی بڑھ گئی ہے، جبکہ انقلاب سے پسلے شاہ ایران عوام کی بہود پر ہی خرچ کرتا تھا، تو کچھ اس کے اثرات ہیں، تاہم عوامی سطح پر ہمارے خیال میں انقلاب کی تائید بڑھ رہی ہے۔ یعنی وہ ساری باتیں کہنے کے بعد آخری بات یہ کہتے تھے کہ "تائید بڑھ رہی ہے" جبکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ گھٹ رہی ہے۔

☆ شیعہ سنی عدم معاہمت : شیعیت اور سنیت کے مابین اعدال و توازن وہاں بت کم ہے، اگرچہ "لا شیعیه لاسنیہ اسلامیہ اسلامیہ" اور "لا شرقیہ لا غربیہ اسلامیہ اسلامیہ" کے نفرے خوب لگ رہے ہیں۔ لیکن میرا تجزیہ یہ ہے کہ اگرچہ جدید دانشوروں میں جن سے ہماری ملاقات ہوئی، کافی حد تک اعدال موجود ہے، اس لئے کہ ان کی پروشن کٹھ مولیانہ ماحول میں نہیں ہوئی، اسی طرح علماء میں سے بھی بعض معتدل مزاج کے حامل ہیں، لیکن عوام میں کٹھ شیعہ عقائد پوری چیلنج کے ساتھ موجود ہیں اور ان میں اعدال کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں کہ عوام کی اکثریت غالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ جن کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؑ امام اول بھی ہیں، وصی رسول اللہ بھی ہیں اور خلیفہ رسول اللہ علیم بلافضل بھی ہیں، جبکہ حضرات ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی (رضوان اللہ علیهم اجمعین) کی خلافتیں عاصیانہ خلافتیں تھیں (نحوہ بالش من ذلک) اور حضرت علیؑ نے صرف تقبیہ کے تحت ان اصحاب کی بیعت لی تھی، دل سے نہیں کی۔ آج کل بعض علماء اور جدید شیعہ دانشوروں سے اور آگئے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جب حضرت علیؑ نے ان اصحاب کی بیعت کر لی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے خود خلافت حضرت ابو بکر، عمر، عثمان رضوان اللہ علیم کو تفویض کر دی، لہذا ان کی خلافت کو ہم صحیح مانتے ہیں۔ یہ "زید یہ" کا موقف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا موقف تقبیہ کے تحت نہیں بلکہ مبنی بر حکمت اور اپنی آزادانہ رائے سے تھا۔ اس ضمن میں ایک خاص واقعہ میرے ساتھ اس دورہ ایران کے دوران پیش آیا۔ ایک عالم دین جن کی میرے دل میں بڑی قدر ہے، ان سے ایک رات میری لفگو ہو رہی تھی تو میں نے براہ راست ان سے خلافت راشدہ کے متعلق سوال کر دیا۔ وہ اس کے لئے ذہانتیار نہیں تھے۔ انہوں نے فوراً کماواہ تو غاصب تھے، خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا، جسے غصب کیا گیا۔ اب دوبارہ صحیح ہی ان سے میری ملاقات ہوتا تھی۔ وہ رات بھروسپتے رہے ہوں گے کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا، یہ سنی ہیں اور پاکستان سے آئے ہیں، یہ کیا تاثر لے کر جائیں گے۔ چنانچہ صحیح جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی بات بیان کی جو بڑی ذہانت پر مبنی تھی۔ کہنے لگے کہ

ہم اس بات پر جمع ہو سکتے ہیں کہ امامت اور ولایت تو روزاول سے حضرت علیؓ ہی کی ہے، لیکن جیسے ہم نے جدید ایران میں کیا ہے کہ ایک طرف حکومت ہے، پارلیمنٹ ہے، صدر، وزراء اور حکومتی مشینزی ہے، جبکہ دوسری طرف ہمارا ولایت فقیرہ کا معاملہ ہے کہ علماء کی ایک باڈی ہے جس میں خامنہ ای ہیں جو رہبر ہیں۔ تو اسی طرح کا معاملہ خلافتے مثلاً اور حضرت علیؓ کا ہے۔ گویا (ان کی تعبیر کے مطابق) حضرت علیؓ کو خامنہ ای کی جگہ پر سمجھا جائے گا اور ابو بکرؓ و عمرؓ کو رسمیانی کی جگہ پر۔ اب ظاہر ہے کہ ان کے مابین مقابله موجود ہے، تب ہی تنظیم حکومت چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ میں نے ان کی رائے بیان کی ہے، میری یہ رائے نہیں ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ وہاں اذان اور اقامت میں حضرت علیؓ کے لئے جو اضافی الفاظ آتے ہیں ان میں ”ولی اللہ“ اور ”جنتۃ اللہ“ کے الفاظ تو ضرور ہیں، لیکن ”خلیفہ بلا فصل“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ ایک اہم ثابت نکتہ ہے اور اعتدال کی طرف ایک قدم ہو سکتا ہے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ ترمیم ابھی کی گئی ہو۔ اگر ایسا نی الواقع ہے تو بت مثبت ہے کہ ایرانی اہل تشیع اعتدال کی طرف کچھ نکچھ پیش قدی کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ پہلے سے تھی تو بھی یہ ایک مثبت نکتہ (positive point) ہے۔ اس اعتبار سے ہو تاکہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ عوای سطح پر بھی ایرانی شیعیت کچھ اور ہے اور پاکستانی شیعیت کچھ اور۔

☆ فقہ پر زور : تیرا منقی تاثر فقہ کے معاملے میں ہے۔ چونکہ یہ حکومت علماء کی ہے اور رواۃ علماء کے ہاں فقہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے جیسے ہمارے ہاں فقہ پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے اسی طرح وہاں بھی فقہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ فقہ اہل سنت اور فقہ جعفریہ دونوں دور ملوکیت میں مرتب ہوئی ہیں، اس لئے ان کے اندر ملوکیت کے اثرات موجود ہیں۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالکؓ اور امام شافعیؓ تینوں حضرات نے مزارعت کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا، لیکن بعد میں جب ملوکیت کی چھاپ پڑی تو صاحبو نے مزارعت کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ اسے آپ چاہے مجبوری کیسی یا کچھ اور کیس، بہر حال جب ملوکیت آگئی تو اس کے اثرات تو پرانے ہی تھے، جیسے مارشل لاء آجائتا ہے تو پھر

پریم کو رٹ کیا کر سکتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی مزارعت اور مفاربت جیسے معاملات کو اسی طرح سے ”اسلامی“ بنایا گیا تھا جس طرح ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں ہمارے نظام بینکاری اور معاشری و اقتصادی نظام کو ”اسلامی“ بنایا گیا، ورنہ اس میں نظام اسلامی کا اصل حصہ یعنی سیاسی، سماجی اور معاشری انصاف کا غصرو موجود نہیں ہے۔

☆ سُنّی مساجد کی تعمیر پابندی : جہاں تک دستور کا معاملہ ہے وہ ایک فقہ، فقہ جعفریہ پر استوار ہے اور یہی پہلک لاء ہے، البتہ دستور کے مطابق پر سنّل لاغہ میں تمام لوگوں کو اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر تو عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔ ہم نے خود شیعہ حضرات کے ساتھ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے، اسی طرح نماز سے قبل ہم نے اپنے سامنے رکھی ہوئی خاک کربلا کی نکیاں ہٹائی ہیں، لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لئے کہ نہ بھی آزادی ہے۔ البتہ تعمیر مساجد کے بارے میں گورنمنٹ کا موقف یہ ہے کہ ہم شیعہ اکثریت کے علاقے میں سنی مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ سینوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کے ساتھ اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں اور سنی اکثریت کے علاقے میں شیعہ مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ شیعوں کو مجبور کرتے ہیں کہ سینوں کے پیچھے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھنے میں مانع ہو، کیونکہ قیام، رکوع و سجود اور جلسہ وغیرہ کی اتنا فرق نہیں جو اکٹھے نماز پڑھنے میں مانع ہو، لیکن تہذیب کا شکر ہے کہ شیعہ اور سنی نمازوں میں ترتیب ساری یکساں ہے۔ لیکن یہ کہ اس ”اصول“ پر عمل درآمد نہیں ہوتا، بلکہ دو ہر امعیار اپنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے تحقیق بھی کی اور وہاں کے ایک سنی عالم دین سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی اس کی تقدیق کی اور کہا کہ ایرانی بلوجستان میں پہلے سے بھی شیعہ مساجد قائم ہیں اور اب نی بھی بن رہی ہیں، کیونکہ وہاں کے شیعہ سینوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، لیکن تہران میں گورنمنٹ کوئی سنی مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ تہران میں سنی شہوں پاکستانی سفارت خانے کے عملے کے ایک سکول میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ سکول کی حالت بھی زیادا چھپی نہیں ہے۔ اس کے لئے پاکستان بڑی عمارت خریدنا چاہتا ہے لیکن کسی وجہ سے اجازت نہیں مل رہی ہے۔ بہرحال مساجد کی تعمیر کے حوالے سے یہ رو یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سینوں کو شیعہ اکثریت کے

علاقوں میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تو پھر شیعوں کو ایرانی بلوچستان میں مساجد تعمیر کرنے کی اجازت کیوں نہیں؟

اس ضمن میں میں حسن ظن سے کام لے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ شاید شیعہ عوام میں ابھی تک اعتدال پیدا نہیں ہو سکا۔ اس لئے شاید ان کا لحاظ کیا جا رہا ہے، لیکن بہر حال میرے نزدیک ایران کے دستور میں پرنسپل لاء کے معاملے میں جو آزادی دی گئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ سنی مساجد بنانے کی آزادی بھی لازماً ملتی چاہئے۔

☆ تھیو کسی اور وحدانی طرز حکومت : میرے نزدیک جو جدید اسلامی ریاست خلافت علی منہاج النبوة کی بنیاد پر قائم ہو گی اس کا تصور (جو میں نے خطبات خلافت میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے) یہ ہے کہ ایک تو یہاں تھیو کسی نہیں ہو گی، اور دوسرے یہ کہ وہ وحدانی نہیں بلکہ وفاقی طرز کی ہو گی، لیکن ایران میں یہ دونوں چیزوں اس کے بر عکس ہیں۔ ایک یہ کہ بنیادی طور پر وہاں تھیو کسی (علماء کی حکومت) ہے، دوسرے یہ کہ وہاں طرز حکومت وحدانی (unitary) ہے۔ گویا تمام اختیارات مرکز کو حاصل ہیں، صوبوں میں صوبائی اسٹبلیاں تک نہیں ہیں، صرف گورنر ہیں، جو مرکز کی جانب سے نامزد کئے جاتے ہیں۔

میں ان دونوں چیزوں کو صحیح نہیں سمجھتا، اس لئے کہ میرے نزدیک تھیو کسی بھی روح عصر کے منافی ہے اور وحدانی طرز حکومت بھی روح عصر سے مطابقت نہیں رکھتی۔ روح عصر سے ہم آہنگ ہونے کے لئے وفاقی طرز کی حکومت ہو اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔

اس حوالے سے وہاں بعض علماء سے میری گفتگو ہوئی اور دوران گفتگو مجھے شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں ”خطبات خلافت“ کافاری ترجمہ جلد اذ شائع کر دینا چاہئے تا کہ یہ وہاں پہنچ جائے اور وہ ہمارے نظریات سے واقف ہو سکیں کہ ہم مستقبل کی اسلامی ریاست کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں۔ یعنی خلافت اسلامی قائم ہوئی تو وہ کس طرز پر ہوگی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله له ولهم ولسان المسلمين والمسلمات ۰۰

باب سوم

شیعہ سُنّی اختلافات کا جائزہ

اور

حضرت

محمدی موعود

کی شخصیت

کے بارے میں اہل سُنت اور اہل تشیع کا موقف



ڈاکٹر اسرار احمد

کاظم طباطبی جمعہ

محمدؐؑ کی موعودؓ کی شخصیت

قرآن کے فلسفہ تاریخ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۱/۱۱ کتوبر کا خطاب جمع

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلَیْ رَسُولِہِ الْکَرِیمِ

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میرا بیرون ملک اور اندر وون ملک سار اسفر طے شدہ پروگرام کے مطابق مکمل ہوا۔ میں نے ۲۰/۱۲ تتمبر کا جمع نبیویار ک میں اور ۲۷/۱۲ تتمبر کا جمع پاکستان کے انتظامی شمالی علاقے دیر میں ادا کیا۔ جبکہ اس کے بعد ۲۸/۱۲ تتمبر کا جمع تنظیم اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر راولپنڈی میں ادا کیا، جہاں میرے خطابِ جمع کی حیثیت سالانہ اجتماع کے افتتاحی خطاب کی تھی۔

میں کئی مرتبہ عرض کرچا ہوں کہ مجھے مالاکنڈ ڈویژن کے علاقے سے اس اعتبار سے خصوصی دلچسپی ہو گئی ہے کہ احادیث نبویہ میں جس "خراسان" کے بارے میں پیشینگو یاں موجود ہیں کہ حضرت محمدؐؑ کی مدد کے لئے وہاں سے لکھر روانہ ہوں گے اس میں یہ علاقہ بھی شامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں "خراسان" کا اطلاق جس ملک پر ہوتا تھا اس میں ایران کے صوبہ خراسان کے علاوہ افغانستان کا تقریباً دو تباہی حصہ اور پاکستان کا کم از کم مالاکنڈ ڈویژن کا علاقہ شامل ہے۔ یہاں کے لئے کئی مرتبہ پروگرام بنے لیکن بوجوہ ملتوی کرنا پڑے۔ اس مرتبہ اگرچہ میں امریکہ سے آکر صرف ایک دن آرام کر سکتا تھا لیکن میں نے پروگرام کے مطابق دیر کا طویل سفر اختیار کیا۔ وہاں پر بھری اللہ ہمارا ایک بست ہی کامیاب جلسہ ہوا۔

علماء کا حالیہ رویہ اور اس کا سبب

اب میں اپنے آج کے موضوع کی طرف آتا ہوں، جس کا اخباری اشتہار آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا، یعنی "حضرت محمدؐؑ کی موعودؓ کی شخصیت"۔ اس کا سبب یہ ہے کہ

راولپنڈی میں اپنے ۱/۲ آکٹوبر کے خطاب جمعہ میں میں نے تینیں کے درجے کو پہنچے ہوئے اپنے اس گمانِ غالب کا اطمینان کیا تھا کہ عالمِ عرب میں حضرت مددی کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کے مظہر عام پر آنے کا وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اس پرمذہ بھی حلقوں میں بہت لے دے ہوئی ہے اور ایک تملکہ سائج گیا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ کیا کہہ دیا؟ کسی نے یہاں تک کہا ہے کہ ان کا دماغی معانند کروانا چاہئے۔ مجھے ان صاحب کی اس پیشہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں اسے خوش آمدید کرتا ہوں۔ بہر حال اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے کہ ہمارے ہاں علماء کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ دین کی مسلمہ باتوں تک سے ذہناً کس قدر دور ہو چکا ہے۔ تحریکِ خلافت کے ٹھمن میں جب میں نے بنوں میں جلدی عام سے خطاب کرتے ہوئے وہ احادیث بیان کیں جن میں دنیا کے خاتمے سے قبل پورے کرہہ ارضی پر خلافت علی منہاج النبوة کے قیام کی خوشخبری دی گئی ہے تو ہاں کے ایک جید عالم دین مولانا الطاف الرحمن بنوی صاحب (جو کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں مدرس کی حیثیت سے کام کر رکھے ہیں) نے گفتگو کے دوران اعتراض کیا کہ یہ احادیث ہمارے علم میں بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ دینی مدارس میں کتبِ حدیث کے شروع کے ابواب تو بڑے اہتمام سے پڑھائے جاتے ہیں اور وضو اور نمازوں وغیرہ کے مسائل پر بڑی تفصیلی بحثیں کی جاتی ہیں کہ مختلف ممالک و مذاہب میں فقیٰ اختلافات کے دلائل کیا ہیں اور ان کے ٹھمن میں ہماری ترجیح کیا ہے اور اس کے کیا دلالت ہیں، لیکن آخر میں کتاب الفتن، کتاب الملاحم اور کتاب اشراط الساعة وغیرہ پر پہنچنے کی پختہ سارا ازور صرف ہو چکا ہوتا ہے اور ان ابواب کو سرسری طور سے پڑھ لیا جاتا ہے اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں لی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ہاں علماء کے نام سے جو لوگ جانے پہچانے جاتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے بڑا ہی بُعد رکھتے ہیں اور مستند علماء دین کی اکثریت بھی ان سے بڑی حد تک ناقص ہے۔ چنانچہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ٹھمن میں جو مغالطے پیدا ہوئے ہیں اور لوگوں کو جو اشکالات پیش آرہے ہیں ان کے ازالے کے لئے میں اس موضوع پر ذرا مفصل گفتگو کروں۔

قرآن کا فلسفہ تاریخ

آج کی گفتگو کے لئے میں قرآن حکیم کی اس آیت کو بطور عنوان اختیار کر رہا ہوں جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ بیان ہوا ہے :

﴿بَلْ نَقْدِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ

زَاهِقٌ، وَلَكُمُ الْوَيْلُ مَسَاتِصُفُونَ﴾ (الأنبياء : ۱۸)

”مگر ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، جو اس کا سمجھا تکال ورتا ہے، اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نابود ہو جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے جانتی ہے ان باطل کی وجہ سے جو تم بنتے ہو۔“

یعنی اللہ تعالیٰ باطل کی سربوبی کے لئے حق کا کوڑا اس کے سرپر مارتا ہے، جس سے باطل کا سرپاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر باطل کے لئے ”فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی لفظ (زہق) سورۃ الاسراء (آیت

(۸۱) میں باس طور آیا ہے :

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

”حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو یقیناً مٹنے ہی والا ہے۔“

باطل میں یہ ہمت اور مقاومت نہیں ہے کہ وہ حق کے مقابل کھڑا ہو سکے۔ البتہ اگر اہل حق ہی بے یقینی کا ٹھکار ہو جائیں، ان میں مناقفت پیدا ہو جائے یا وہ بزدل، بے محیت اور بے غیرت ہو کر اندر سے کھو کھلے ہو جائیں تو بات دوسری ہے۔ پھر تو ”راج کرے گا خالصہ، ہور کرے نہ کوئے“ کے مصدق باطل ہی ناچے گا بلکہ شکناچ ناچ ناچے گا۔ اس بھی انک صورت حال کی عکاسی نبی اکرم ﷺ کی اس لرزادی نے والی حدیث میں ملتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے امام تیقی ”شعب الایمان“ میں لائے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں :

((يُوشِكُ أَنْ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْ

الْاسْلَامِ إِلَّا سُمُّهُ، وَلَا يَبْقَى مِنْ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ،

مَسَاجِدُهُمْ عَامِرٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَىٰ،
عَلِمَاؤُهُمْ شَرٌّ مِنْ تَحْتِ أَدِيمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ
تَخْرُجُ الْفَتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ)) (مَكْحُونَةُ، كِتَابُ الْعِلْمِ)

”قریب ہے کہ لوگوں پر یہ وقت آجائے کہ اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے حروف کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مساجد بظاہر بڑی آباد ہوں گی (اور بہت عالیشان ہوں گی) لیکن وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھٹت کے بیچے کے بدترین لوگ ہوں گے، جو فتنوں کو جنم دیں گے اور یہ فتنے واپس انہی میں لوٹ جائیں گے۔“

آج ہمیں اس صورت حال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنا لیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کر کے اپنی دو کان چکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا، لوگوں کو مناظروں کے لئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی۔

تو اگر حق اس درجے کمزور اور کھوکھلا ہو چکا ہو تو پھر باطل کا بول بالا رہے گا، لیکن اگر کچھ بھی باصلاحیت، اعلیٰ کردار کے حامل لوگ، جنہیں خریدانہ جا سکتا ہو، جو دین کو پیشہ نہ سمجھیں بلکہ اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہوں، معتقد ب تعداد میں تیار ہو جائیں تو پھر وہ دیکھیں گے کہ باطل میں مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ علماء اقبال نے اپنے اس فارسی شعر میں متذکرہ بالا آیت (بَلْ نَقِيدُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ.....) والا اندازی انتیار کیا ہے۔

بَا نَقِيدٍ دَرْوِيشٍ دَرْ سَازٍ وَ دَادِمٍ زَنٍ!

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!!

پسلے درویشی اختیار کرو۔ یعنی تربیت و تزکیہ کے مراحل سے خود کو گزارو، اپنے سیرت و کردار کو تزکیہ نفس کے ذریعے ایک خاص سطح تک لے کر جاؤ، پھر دعوت کے تقاضے پورے کرو، لوگوں پر اتمامِ جنت کرو، ان کے طبع اور گالیاں سنوا اور صبر کرو۔ اس طرح ”وُغَاک میں مل اور آگ میں جل، جب نشت بنے تب کام چلے“ کے مصدق اس پختہ

ہو جاؤ تو باطل سے نکلا جاؤ۔ سند رکے کنارے سے کچی ریت اٹھا کر اس کا گولہ بنا کر کیں مارو گے تو ریت بکھر جائے گی، اس سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگزے گا، یہاں تک کہ یہ شیشے کو بھی نہ توڑ سکے گی، لیکن اسی ریت کو اگر بھی میں پکا کر روڑا بنا لو گے تو یہ کار آمد ہابت ہو گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے پلے اپنے ساتھیوں کی تربیت اور ان کا تازیہ کیا۔ جب وہ آزمائشوں کی بھیوں سے گزر کر کندن بن گئے تو انہیں باطل کے مقابل لاکھڑا کیا اور ان کا کوڑا بنا کر باطل کے سر پر دے مارا۔ جس سے باطل نایود ہو گیا اور حق کا بول بالا ہو گیا اس طرح "مُحَمَّدَ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ" (صلی اللہ علیہ وسلم) و رضی اللہ عنہم امّعین) نے جزیرہ نماۓ عرب میں اسلامی انقلاب برپا کر دکھایا۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے حق کا کوڑا باطل پر بر سایا اور اس کا بھیجا نکال دیا۔ یہ محض تعبیر کا فرق ہے کہ ہم اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی طرف کریں یا اللہ تعالیٰ کی طرف کریں، اس لئے کہ فاعلِ حقیقی تو اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں، اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اذنِ رب ہی سے ہوتا ہے۔ شیخ عبدال قادر جيلانيؒ کے وصایا میں یہ جملہ حرزِ جان بنا نے کے قابل ہے کہ "لَا فاعلٌ فِي الْحَقِيقَةِ وَلَا مُؤْثِرٌ لِلَّهِ" یعنی فی الحقیقت اللہ کے سوا کوئی فاعل اور کوئی مؤثر ہے ہی نہیں۔

سورۃ الانبیاء کی متذکرہ بالا آیت کا آخری مکڑا بھی یہت اہم ہے کہ "وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصْفُونَ" یعنی "تمہارے لئے تباہی و بر بادی ہے ان باتوں سے جو تم ہناتے ہو۔" اس میں بھانست بھانست کی بولیاں بولنے والے حضرات کے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے۔

زیر نظر آیت میں دراصل قرآن کا فلفہ تاریخ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کی کشاش روڑا اول سے چلی آری ہے، جس میں اگرچہ اکثر و بیشتر باطل کا پلڑا بھاری دکھائی دیتا ہے، لیکن جب کبھی حق کو باکردار صاحبِ حق مل جائیں تو اس کا منطقی نتیجہ باطل کے نیست و نایود ہو جانے اور حق کے غالب ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن کے اس فلفہ تاریخ کو اقبال نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ۔

تیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شراری بو بھی!

محمد رسول اللہ ﷺ اور ابوالہب کے درمیان تصادم صرف مکہ کی سرزمیں ہی پر نہیں ہوا، بلکہ یہ ہمیشہ سے موجود دو کردار ہیں جو حق اور باطل کی علامت ہیں اور ان کے درمیان کشاکش، تصادم اور معرکہ آرائی روزِ ازل سے جاری ہے۔ کبھی وہ چراغِ مصطفوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا اور شرار بولبی فرعون کی شکل میں آیا تھا۔ کبھی وہی چراغِ مصطفوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں ظور کر رہا تھا اور نمرود اس وقت شرار بولبی کا مظہر تھا۔ ازل سے جاری حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی ہے تھا اپنے نقطہ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ ہر چیز ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے نقطہ کمال کو پہنچتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کا طبعی سائنس کا علم ارتقاء کر کے کماں سے کماں تک پہنچ گیا ہے کہ

عروج آدم خاکی سے انجم سے جاتے ہیں
کہ یہ نوٹا ہوا تارا میں کامل نہ بن جائے!

انسان چاند پر تقدم رکھ آیا ہے، جبکہ مرغ کا طوف ہو رہا ہے اور اسے وہاں اترنے میں کیا دیر گے گی! اسی طرح حق و باطل کی کشاکش بھی ارتقاء کے مراحل طے کرتے کرتے اپنے نقطہ عروج کو پہنچ رہی ہے اور یوں سمجھتے کہ اب قائل شوڈاً وُن ہونے والا ہے۔ حق و باطل کا آخری مقابلہ بڑا ہی خون ریز اور تباہ کن ہو گا، جس کی تفاصیل ہمیں ”کتاب الملامم“ کی احادیث میں ملتی ہیں۔ مَلَحَمَّمَ لفظ مَلَحَمَّہ کی جست ہے، یعنی ایسی گھسان کی جنگ کا موقع جہاں گوشت کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ ”لحم“ گوشت کو کہتے ہیں اور ”مَلَحَمَّ“ تھاب کی دوکان کو۔

لفظ ”مَلَحَمَّة“ کے حوالے سے مجھے فتح مکہ کا یہ واقعہ یاد آگیا ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں علم تھا کہ یہ رجزِ پڑھ رہے تھے ”الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلَحَمَّةِ“ یعنی آج ٹکڑے اڑانے کا دن ہے، آج ہم کفارِ قریش سے ان کی زیادتوں کے گن گن کر بدالے لیں گے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ نے حضرت سعدؓ کو بلا کر فرمایا کہ نہیں، بلکہ ”الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ“ یعنی

آج تو رحمتِ خداوندی کے ظہور کا دن ہے۔ چنانچہ فتحِ کمد کے بعد آپؐ نے سردار ان قریش کو جمع کر کے پوچھا کہ آج تمہارے ساتھ کیا سکوں ہو ناچاہئے؟ اس پر انہوں نے انتہائی لجاجت کے ساتھ خوشامد کرتے ہوئے عرض کیا : کریم ابین کریم۔۔۔ یعنی آپ خود بھی ایک نہایت شریف انسان ہیں اور ایک نہایت شریف انسان کے بیٹے ہیں! مطلب یہ کہ ہم آپؐ سے اس طرزِ عمل کی توقع رکھتے ہیں جو آپؐ کی شرافت و نجابت کے شایانِ شان ہو۔ آپؐ نے فرمایا : تم نے نھیک کیا، آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؐ نے کی تھی : "لَا تَشْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ إِذْ هَبُوا فَأَنْتُمُ الْطَّلَقَاءُ" آج تم پر کوئی طامت نہیں ہے۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو!

تو کتاب الملاحم میں ان جنگوں کی تفاصیل پر مشتمل احادیث ہیں جو بعد میں آنے والی ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، حق و باطل کی کشاکش ازل سے جاری ہے اور اپنے نقطہ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اب یہ اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ۔

دنیا کو ہے پھر معركہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
الله کو پامردیِ مومن پر بھروسا
البلیس کو یورپ کی مشینوں کا سارا

اس کشاکشِ حق و باطل کا نقطہ عروج (Climax) وہ جنگ عظیم ہو گی جسے احادیث میں "المَلْحَمَةُ الْعَظِيمُ" کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی یہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ ہو گی، جس کی ہلاکت آفرینی کا نقشہ ایک حدیث میں باس طور کھینچا گیا ہے کہ زمین لاشوں سے اس طرح الٹی پڑی ہو گی کہ ایک پرندہ مسلسل اڑتا چلا جائے گا لیکن اسے زمین پر اترنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔

عظیم جنگوں پر مشتمل اس دورِ فتن کا اختتام کس طور سے ہو گا؟ اس کے ضمن میں پیشینگو یوں پر مشتمل احادیث میں بارہا بیان کرچکا ہوں۔ گویا پھر "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" کا نقشہ سامنے آئے گا اور آیتِ قرآنی "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَىٰ

الْبَاطِلٌ " بتہام و کمال ظاہر ہو گی۔ پورے عالم انسانی پر اللہ کے دین کا غالبہ ہو گا اور توحید کا پرچم لہرائے گا۔ نورِ توحید سے یہ کرہ ارضی منور ہو جائے گا۔ گویا " وَأَشَرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا "۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگنگا اٹھے گی۔ اس کی پیشینگوں میں جہاں احادیث نبویہ میں موجود ہیں وہاں علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں جاہجاتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی ایک نظم تو میرے نزدیک الہامی نظم ہے۔ واضح رہے کہ وہی نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد ہم روایاتے صادقہ (پچھے خواب) کے علاوہ کشف اور الہام کے قائل ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت احادیث نبویہ سے ملتا ہے۔ اقبال کی اس نظم کے یہ اشعار ملاحظہ کریں۔

آسمان ہو گا حر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماں پا ہو جائے گی!
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام وجود
پھر جیسی خابِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پا آ سکتا نہیں
محوجیت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!
شب گریزان ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے!!

بہر حال یہ تو ہوتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہوتا ہے اس کا بھی میں اپنی تالیف "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" نامی کتاب میں قدراً تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

دورِ فتن میں ایک بہت نمایاں کروار جواہرے گا وہ دجال ہو گا، جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس سے برا فتنہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ہو گا۔ اس دجال کو حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر آ کر قتل کریں گے۔ اس دورِ فتن میں اہل ایمان میں سے بھی ایک نمایاں شخصیت ابھرے گی، جس کا نام مددی مسعود ہے۔ علامہ اقبال کا ایک بڑا پیار اشعار ہے۔

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موئی طسم سامری!
”اسرائیل“ حضرت یعقوب علیہ السلام کا القب ہے، جن سے ان کی نسل بنی اسرائیل
چلی۔ ان کے تمابا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جن کی نسل سے محمد رسول اللہ ﷺ
تھے۔ چنانچہ مهدیٰ موعود کے بارے میں یہ کہنا چاہئے کہ ”خونِ اسرائیل آجائے گا آخر
جوش میں!“ اس لئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی آل سے ہوں گے، حضرت فاطمہ ؓ کی نسل سے ہوں گے۔
کی نسل سے ہوں گے اور اس بحر سے نکلنے والے ایک نمایت تیقی موتی ہوں گے۔

ختم نبوت سے پیدا ہونے والا خلا کیسے پُر کیا گیا؟

مهدیٰ موعود کے بارے میں پہلے یہ بات جان لججھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا
سلسلہ ختم ہونے سے رحمت خداوندی کا جواب بند ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی
خلافی کس طور سے کی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو تین چیزوں سے پُر کیا:

۱۔ حافظت متن قرآن : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متن کی حفاظت کا خود ذمہ لے لیا
کہ اس میں تحریف نہیں کی جاسکتی۔ انتہائی پُر فتن درمیں جبکہ قرآن کی تعلیمات کو
فراموش کر دیا جائے گا، اُس وقت بھی اس کا متن محفوظ رہے گا۔ میں آپ کو حدیث سنাচکا
ہوں : ”لَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ“۔ شیطان لعین اور اس کی ساری صُلُبی و
معنوی ذریت خواہ جتنا چاہے زور لگائے، قرآن مجید محفوظ رہے گا، تاکہ طالب ہدایت کے
لئے ایک منارہ ہدایت ہیش موجود رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے تورات اور
انجیل بھی اللہ کی نازل کردہ کتابیں تھیں، لیکن اللہ نے ان کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں لیا۔
یہ معاملہ صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے کہ ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْذِكْرَ
وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (الحجر: ۹) ”یقیناً ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی
اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“ اس آیہ مبارکہ کا پہلا حصہ (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
الْذِكْرَ) کا اطلاق تو دیگر کتب سماویہ پر بھی ہوتا ہے، لیکن دوسرا حصہ (وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ) صرف قرآن حکیم پر منطبق ہوتا ہے۔

۲۔ مجددین امت کا سلسلہ : ختم نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پر کرنے کے ضمن میں دوسری چیز مجددین امت کا سلسلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ الرحمۃ الرحمیۃ نے ارشاد فرمایا :

((إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ سَنَةً
مَنْ يُحَدِّدُ لَهَا دِينَهَا)) (ابوداؤ)

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایک ایسی شخصیت کو اخھاتا رہے گا جو اس (امت) کے لئے اس کے دین کو تازہ کر دے گی۔"

مطلوب یہ کہ دین پر جب سو برس کی مدت گزر جاتی ہے تو اس پر کچھ خارجی اثرات آجائتے ہیں۔ کچھ خارجی فلسفوں کا غبار اور کوئی بدعاں کا طوفان اس کی اصل بیت کو تبدیل کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ دشمنی میں اور بدنتی سے بھی ہو سکتا ہے اور دوستی میں اور نیک نیتی سے بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت مسیح کے پیروکاروں سے نکلی میں غلو ہو گیا تو رہبانیت ایجاد ہو گئی۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس علیہ الرحمۃ الرحمیۃ کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ "لَا رَهْبَانِیَّةَ فِي
الاسْلَامِ" (اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے) اور یہ کہ "النَّكَاحُ مِنْ سُنْنَتِي"
(نكاح میری سنت میں سے ہے) اور "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنْنَتِي فَلَيَسْ مِنِّي" (جسے میرا طریقہ پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔ تجدید کا مطلب تازہ (renew) کر دینا ہے اور مجدد کا کام یہ ہوتا ہے کہ دین پر جو بھی خارجی اثرات اور گرد و غبار آجائے اسے ہٹا کر دین کا اصل رخ روشن جیسا کہ وہ ہے، دنیا کے سامنے پیش کر دے۔ مجددین امت کے بارے میں میں مزید چند باتیں بعد میں عرض کروں گا۔

۳۔ حق پر قائم جماعت : اس امت کے لئے تیری ضانت یہ دی گئی ہے کہ اس میں ہیشہ ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔ یعنی اگر ایک طرف ہدایت نظری قرآن مجید میں محفوظ رہے گی تو دوسری طرف ہدایت عملی کے نمونے بھی ضرور موجود رہیں گے، خواہ وہ آئئے میں نہ کے برابر ہوں۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جسے خواری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے کہ

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وس علیہ الرحمۃ الرحمیۃ : يَقُولُ : ((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أَمَّةٌ

فَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللَّهِ ... وَفِي رِوَايَةٍ : فَائِمَيْنَ بِالْحَقِّ ..
لَا يَصُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ حَالَفَهُمْ ، حَتَّىٰ يَأْتِيَ
أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ عَلَىٰ ذَلِكَ) (تَفْقِيْلُ عَلَيْهِ)

(حضرت معاویہؓ کے تین کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میری
امت میں ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے امر پر قائم رہے گی ایک دوسری روایت میں
"حق پر قائم" کے الفاظ ہیں --- ان کو نہ تو وہ لوگ نقصان پہنچا سکیں گے (جو ان کے
اعوان و انصار بننے کے بعد) ان کا ساتھ چھوڑ جائیں اور نہ ہی وہ لوگ جو ان کی
مخالفت پر اتر آئیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی بات پوری ہو جائے اور وہ اسی پر قائم
رہیں گے۔"

یہ تیری خدامت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے
دی ہے کہ الٰی حق کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی۔ (یہ دوسری بات ہے کہ ہر زمانے
میں اس کا نام اور عنوان بدلتا رہے گا)

مجد دین امت کے سلسلے اور الٰی حق کی اس جماعت کے مابین ربط و تعلق کو اس
طرح سمجھئے کہ ایک وقت میں ایک مجدد کھڑا ہوا اور اس نے تجدید کا کام کیا تو کچھ لوگ اس
کے ساتھی بن گئے۔ جیسے حدیث نبویؐ کی رو سے ہر نبی کے کچھ ساتھی اور کچھ حواری
ہوتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے مردی یہ حدیث وارد
ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَا مِنْ نَبِيٌّ بَعْثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ
أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَاصْحَابُ، يَاخْعُذُونَ بُسْتَهِ وَيَقْتَدُونَ
بِإِمْرِهِ.....))

"کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہیں اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں بعوث کیا
ہو، مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو اس کے)
حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس
کے حکم کے مطابق چلتے تھے....."

اسی طرح کامعالہ مجددین کا ہے کہ جب بھی کوئی مجدد اٹھتے تھے تو ان کی تجدیدی مساعی اور

جدوجہد میں کچھ لوگ ضرور ان کے ساتھ ہو جاتے تھے، جوان کی بات سنتے تھے، ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے، ان کے اعوان و انصار اور مددگار بنتے تھے، داے درے اور سخنے ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے تھے، چنانچہ ان سے ایک جماعت وجود میں آ جاتی تھی، لیکن ایک مرد گزرنے کے بعد یہ جماعت اخلاقی و عملی اختطاط کا فکار ہو جاتی آ جاتی۔ ایسا یہی شہ ہوتا رہا ہے، بلکہ انبیاء کرام (علیهم السلام) کی بنائی ہوئی جماعتیں بھی ان کے بعد اصلاح کا فکار ہو جاتی رہی ہیں۔ خود محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جماعت بنائی وہ بھی تین چار نسلوں کے بعد زوال و اختطاط میں جلا ہو گئی تو تابہ دیگر ان چہ رسدا چنانچہ بھی معاملہ مجید دینِ امت کا ہوتا ہے۔ ایک صدی میں قریباً تین یا چار نسلیں گزرتی ہیں، اس کے بعد پھر نئے مجدد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص حق کو حق کچھ Face Value پر اسے قبول کرتا ہے۔ اس کے لئے اسے کچھ چھوڑنا بھی پڑتا ہے، کچھ لوگوں کی ناراضی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ لیکن اس کی آئندہ نسل یہ صحیح ہے کہ یہ چونکہ ہمارے باپ کا مسلک تھا اس لئے اب ہمیں بھی یہی اختیار کرنا ہے۔ ان کا اسے اختیار کرنا Face Value پر نہیں بلکہ عصیت کی بندار پر ہوتا ہے۔ جب یہ گروہ کچھ منظم ہو جاتا ہے تو ان کی آپس کی دوستیاں، رشتہ داریاں، کاروبار، ادارے اور مشترکہ مفادات انسیں باہم قریب رکھتے ہیں، جبکہ تپری نسل حفظ ان مفادات کی خاطر اس جماعت سے وابستہ رہتی ہے اور پھر یوں کچھ بیجھے کہ پیڑہ غرق ہو جاتا ہے۔ اب اس جماعت کی حیثیت حفظ ایک فرقے کی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر کسی کو اٹھاتا ہے تو ان میں سے جن کے اندر بھی کچھ جان ہوتی ہے وہ اس کے پاس آ جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ نئے لوگ آتے ہیں اور ایک نئے عنوان سے کام پھر شروع ہو جاتا ہے۔

یہ سلسلہ اسی انداز سے چلتا رہتا ہے جیسے اولپک نارچ لے کر ایک کھلاڑی دوڑتا ہے اور کچھ قابل طے کرنے کے بعد دوسرے کھلاڑی کو دے دیتا ہے۔ دوسرا کھلاڑی یہ نارچ تیر سے کھلاڑی کے پرڈ کر دیتا ہے۔ اس طرح کھلاڑی اگرچہ بدلتے رہتے ہیں لیکن وہی نارچ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح کام عاملہ شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے ڈاک کے نظام کا تھا۔ آپ اندازہ کیجئے کہ آج سے پانچ سو برس پلے اس نے ڈاک کے سے پشاور

تک جرنیلی سڑک (جی ٹی روڈ) تعمیر کروائی اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔ ہر تین میل کے فاصلے پر ایک چوکی ہوتی تھی جہاں تازہ دم گھوڑے اور سوار موجود ہوتے۔ ایک گھر سوار ڈاک کا تحیل لے کر ایک چوکی سے دوسری چوکی تک سرپت دوڑتا اور اگلی چوکی سے دوسرے سوار اسی طبقے کو لے کر برق رفتاری سے روانہ ہوجاتا۔ اس طرح ہر چوکی پر گھوڑا اور سوار تبدیل ہوجاتے تھے لیکن ڈاک کا تحیل اور ہتاجوڑھاکہ سے چلا تھا۔ اسی اندازے جماعتیں اگرچہ بدلتی رہتی ہیں لیکن دین کا اصل پیغام اور اس کی اصل روح اگلی نسلوں کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا، ہر تین چار نسلوں کے بعد اس عمل میں تجدید کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صرف تین نسلوں کی صفات دی ہے، جنہیں ہم ”قرونٰ مَشْهُودٌ لَهَا بِالْخَيْر“ کہتے ہیں۔

چنانچہ حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے : ((خَيْرٌ أُمَّتِي قَرْنَى، ثُمَّ الَّذِينَ يَلْوَنُهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلْوَنُهُمُ الْأَخْ)) یعنی میری امت کا، بہترین دور میرا دوڑ ہے، پھر وہ لوگ جو ان سے قریب کے دور میں ہوں گے، اور پھر وہ جو ان سے قریب ہوں گے۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مردی ہے)

مجد دین کے بارے میں بعض اہم باتیں

مجد دین کے بارے میں بعض باتیں اسکی ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے۔ مثلاً

(i) حدیث مبارک میں جو یہ فرمایا گیا کہ ”علیٰ رَأْسِ كُلِّ مَا ظَهَرَ سَنَةً“ تو ان الفاظ سے صدی کا شروع یا صدی کا آخر مراد نہیں ہے، بلکہ یہ محاورہ ہے اور اس سے مراد ”ہر صدی کے دوران“ ہے۔

(ii) یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں کوئی ایک شخصیت ہی تجدیدی مساعی میں معروف ہو، بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ جدوجہد بیک وقت کئی لوگ کر رہے ہوں۔

(iii) کسی مجد کو مجدد تسلیم کرنا یا نہ کرنا ایمان اور کفر کا معاملہ نہیں ہے۔ ایمان اور کفر کا معاملہ کسی نبی کی نبوت کو مانے یا نہ مانے سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ غلام احمد قادریانی نے اگر صرف مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہو تو اور وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرتا تو اس کی اور اس کی

امت کی عکفیرنہ ہوتی۔ لاہوری مرزا اُگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا کو نبی نہیں بلکہ صرف مجدد مانتے ہیں، لیکن جب یہ بات ثابت ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو وہ کافر ہو گیا اور کافر کو مجدد مانے والا بھی کافر ہے۔ نبوت تو حدفاصل ہے۔ سچے نبی کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جھوٹے نبی پر ایمان لانے والا کافر ہے۔ اس معاملے میں "Give the devil his due" کے مصداق قادیانیوں کی ہمت اور جرأت کی داد دینی چاہئے کہ وہ اپنے تینی بھیشہ ہمیں کافر قرار دیتے رہے ہیں، کیونکہ ہم ان کے نبی کو نہیں مانتے۔ سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ تھا اور اس نے قائدِ اعظم کا جنازہ نہیں پڑھا، بلکہ ایک طرف بیٹھا رہا۔ جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا تھا کہ "یا تو مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافروزیر سمجھ لو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر!" مجدد کو ماننے کا معاملہ نبوت سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو مجدد ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

(iv) اکثر مجددین مجدد ہونے کا دعویٰ کے بغیر اپنی تجدیدی مساعی میں مصروف رہے اور بعد میں لوگوں نے سمجھا کہ یہ مجدد وقت تھے جنہوں نے بت ہوا کام کیا اور دین کو واقعی تازہ کر دیا۔ البتہ بعض مجددین ایسے بھی تھے جنہیں خود بھی اس کا اور اک وشور تھا کہ وہ مجدد ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی میں اس طرح کی باتیں بھی کیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وقت کے مجدد ہیں۔ مثلاً شیخ احمد سرہندي اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہاں ایسی باتیں ملتی ہیں۔ لیکن ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ جو ان کو مجدد نہیں مانے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ!

(v) مجددین امت کے بارے میں ایک اہم بات میں نے بارہا عرض کی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار برس تک سارے کے سارے مجددین عالمِ عرب میں پیدا ہوئے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں۔ ان کے بعد امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، شیخ عبد القادر جیلانی، امام غزالی اور امام ابن تیمیہ اپنے اپنے وقت کے مجدد ہیں تھے۔ لیکن جیسے ہی دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو اس امتِ مسلمہ کا روحاںی اور علمی مرکز ثقل بر عقیم پاک و ہند میں منتقل کر دیا گیا۔

چنانچہ گیارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں دو مجدد ہوئے ہیں۔ ایک تو مجدد اعظم ہیں، یعنی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندي اور دوسرے شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ بارہویں صدی کے مجدد اعظم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہوئے ہیں، لیکن ان کے ساتھ ہی عالم عرب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی تھے، اگرچہ ان دونوں کا مقابلہ کیا جائے تو شاہ ولی اللہ کے مقابلے میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی بالکل بونے نظر آتے ہیں۔ لیکن بہر حال وہ بھی مجدد تھے، انہوں نے مشرکانہ عقائد غلط روایات غلط رسومات اور بدعتات کے انبار کو صاف کیا۔ تیرہویں صدی ہجری کے مجددین وہ تھے جنہوں نے مغربی استعمار کے خلاف تکوا راٹھائی۔ ان میں سوڑان کے مهدی سوڑانی اور لیبیا کے سنوی بھی تھے، لیکن عظیم ترین مجدد اس خطہ ہند سے سید احمد شہید بریلوی تھے، ان کے ساتھ شاہ اسماعیل شہید بھی تھے۔ یہ پہلے پنجاب کو سکھوں سے پاک کرنے کے بعد پھر انگریز سے نبرد آزمائی چاہتے تھے، لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ ان کی تحریک "تحریک شہیدین" اگرچہ دنیوی اعتبار سے ناکامی سے دوچار ہوئی لیکن اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، وہ قمریۃ الشادت سے سرفراز ہو کر کامیاب ہو گئے۔ میں کما کرتا ہوں کہ بہت سے نبی ائمے گزرے ہیں جو دنیوی اعتبار سے بظاہر ناکام چلے گئے، مجدد تو پھر مجدد ہیں۔

میرے نزدیک چودھویں صدی کے مجدد اعظم شیخ المند مولانا محمود حسن دیوبندی تھے، البتہ ان کے ساتھ ساتھ بعض دیگر حضرات کی تجدیدی مساعی بھی بہت اہم ہیں۔ ان میں ایک شخصیت علامہ اقبال کی ہے جو اگرچہ واڑھی مُذہبے تھے اور ان کا عمل کاپڑا (ان کے فکر کے مقابلے میں) بہت ہلاکتا تھا، لیکن طریقہ "اگرچہ سرنتہ تراشند قلندری دامت" کے مصدق انہوں نے فکر اسلامی کی تجدید کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران لوگوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے کے لئے جتنی زور دار دعوت دی اس کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے انہیں دعوت قرآنی کا مجدد قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ علماء کے طرز عمل سے مایوس اور بدل ہو کر کاگریں میں شامل ہو گئے کہ یہ مولوی نہ خود کچھ کریں گے نہ کسی دوسرے کو کچھ کرنے دیں گے۔ اُنہی میں ایک شخصیت سید ابوالاعلیٰ مودودی

کی ہے جو میرے نزدیک تحریکِ اسلامی کے مجدد ہیں۔ انہوں نے جماعتِ اسلامی کے نام سے ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت قائم کی جس میں ایسے پاکباز لوگ شامل ہوتے جو پسلے اپنی معاش اور معاشرت کو حرام سے پاک کر کے آتے۔ یہ نہیں تھا کہ اپنے وجود پر تو اسلام کا نفاذ ہے ہو، اپنے گھر میں اسلامی معاشرت کا نقشہ نظر نہ آئے، معاش میں حرام کی آمیزش بھی ہو، لیکن اسلام کا نفرہ بھی لگا رہے ہوں۔ مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت آج کی جماعتِ اسلامی سے بہت مختلف تھی۔ آج شاپ ٹلی اور پاسبان کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کا تو اُس وقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسی طرح تبلیغِ دین کے ضمن میں مولانا الیاس کی تجدیدی مساعی اس قدر اہم ہیں کہ میں انہیں مجدد تبلیغ قرار دیتا ہوں۔ ورنہ تبلیغ تو ایک پیشہ بن چکی تھی۔ پیشہ ور مبلغ اجرت لے کر فرقہ وارانہ تقریبیں کرتے اور مختلف فرقوں کے مبلغ دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے لگاتے۔ اس طرح کی "تبلیغ" کا نقشہ ہمیں آج بھی کہیں کسی "عظم الشان تبلیغی کانفرنس" میں نظر آ جاتا ہے جہاں رفعیہ دین کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیے جا رہے ہوتے ہیں یا تقدیر اور تاویح کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے۔ اُس دور میں "تبلیغ" کا یہ انداز بہت عام تھا اور مولوی مرغون کی طرح لڑتے تھے اور پیسے لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ گزار چلتے چلتے دلدل میں کسی کھانچ کے اندر جا کر پھنس جائے تو اسے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن مولانا الیاس جیسے حیف البشہ انسان نے تبلیغ کے اس گذارے کو دلدل سے نکالا اور ایسے مبلغیں دین کی جماعت تیار کی جو بغیر کسی تنخواہ کے، اپناراشن اور اپنا کرایہ خرچ کر کے تبلیغ کے لئے نکلتے۔ آج اس انداز پر تبلیغ کے عنوان سے دنیا میں لاکھوں آدمی گردش میں ہیں۔ مولانا الیاس نے اس عظیم کام کا آغاز تنہ تھا کیا تھا۔ ہندوستان میں جب شدھی کی تحریک چلی تو جو علاقے اس سے شدید متاثر ہوئے ان میں میوات کا علاقہ بھی تھا۔ دراصل بہت سے ایسے لوگ جن کے آباء و اجداد کسی صوفی بزرگ کی کرامات دیکھ کر ایمان لے آئے تھے لیکن ان کی تعلیم و تربیت اسلام کے مطابق نہ ہو سکی، ان کا حال یہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل بیگانہ تھے، بلکہ ان میں سے بہت سوں کو تو کلر بھی نہیں آتا تھا، ان کے نام بھی کچھ مسلمانوں کے سے تھے اور کچھ ہندوؤں کے سے۔ ہندوؤں کے

لے ایسے مسلمانوں کا شکار کرنا اور انہیں شدھی کر لیتا بہت آسان تھا۔ جب ایسے لوگ دھڑادھڑ شدھی ہونے لگے تو ہندوستان میں تسلکہ بیخ گیا اور مسلمانوں میں شدید تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ان علاقوں میں تنخواہ دار بیخ بھجوائے گئے، لیکن وہ بھلا کماں دیہات کی خاک چھانتے۔ ملازم آدمی کی ایک اپنی ذہنیت ہوتی ہے، اسے تو اس اپنے ٹی اے، ڈی اے سے غرض ہوتی ہے۔ لذادہ ایک گاؤں میں تقریر کر کے روپورث میں دس دیہات کا دورہ لکھ دیتے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

ان حالات میں مولانا الیاس ”کو ایک عجیب احساس ہوا، اور یہ اس طرح کا احساس تھا جو سب کو اور پر سے نیچے کی طرف گرتے دیکھ کر نیوشن کو ہوا تھا اور اس نے زمین کی کششِ ثقل کا راز معلوم کر لیا تھا، یا چولے پر رکھی دیسچی کاڑھکنا ملتے دیکھ کر جارح سُلیفِن کے ذہن میں پیدا ہوا تھا اور اس نے بھاپ کی طاقت کا اندازہ کر کے سیم انجمن ایجاد کر لیا تھا۔ ہو ایوں کہ مولانا الیاس ایک روز مسلمانوں کی حالتِ زار پر متفکر بیٹھے تھے کہ انہیں چند میواتی اپنے گاؤں سے مزدوری کے لئے آتے دکھائی دیئے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ بھائی تمہیں کتنی مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتایا کہ دو آنے روزانہ۔ اس پر مولانا نے ان سے کہا کہ اچھا بھائی، دو دو آنے تم مجھ سے لے لیا اور آج کا دن تم میرے پاس رہو۔ مولانا نے ان میواتیوں کو وضو کرنا سکھایا، نماز سکھائی، ان کا کلمہ درست کیا اور شام کو انہیں دو دو آنے دے دیئے۔ پھر یہ مولانا کا روز کا معمول بن گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ نکل آئے جنہوں نے اپنا وقت فارغ کیا اور اب وہ کلمہ کی تحریک بن گئی۔ یہ لوگ بہت بہتی جاتے، جنہیں کلمہ نہیں آتا تھا، نہیں کلمہ سکھاتے، لوگوں کو نماز سکھاتے اور نماز پڑھنے کی تلقین کرتے، نیز آباد مسجدوں کو صاف کر کے انہیں آباد کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ وہ عظیم شخصیتیں ہیں جو چودھویں صدی میں ہندوستان کی سر زمین پر پیدا ہوئیں، جبکہ پوری دنیا میں ان کا کوئی پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک انتہاء حسن البناء شہید کا ضرور ہے جو تحریک اسلامی کے مجدد کی حیثیت سے عالم عرب میں ابھرے، لیکن میرے نزدیک مولانا مودودی کی شخصیت اور حسن البناء کی شخصیت کے ماہین وہی نسبت ہے جو شاہ ولی اللہ اور محمد بن عبد الوہاب کی شخصیتوں کے ماہین ہے۔ حسن البناء اگرچہ جوش اور

جذبے میں تو مولانا مودودی سے بہت آگے ہیں، لیکن وہ مصنف ہیں، نہ صاحبِ تفسیر ہیں، اور نہ ہی مفکر ہیں۔

اس کے بعد اب پندرہویں صدی کے مجددین کا معاملہ سمجھ لیجئے۔ میرے گمان میں اس صدی کا مجددِ اعظم وہی شخص ہو گا جس کے بارے میں احادیث نبویہ میں ”مددی“ کا لفظ آیا ہے۔ آج زمانہ چلتے چلتے جس مقام پر پہنچ چکا ہے اور دنیا کے حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں ان کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ غفریب جزیرہ نماۓ عرب میں ان کے منظر عام پر آنے کا معاملہ ہو جائے گا۔ اس ضمن میں میں چند احادیث پیش کروں گا، لیکن پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اہل تشیع اور اہل سنت کے نزدیک مددی کے تصور میں بہت فرق ہے۔

اہل تشیع اور اہل سنت کا تصورِ مددی

اہل تشیع کا تصور یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ”امامتِ معصومة“ کا سلسلہ حضرت علیؓ سے شروع ہوا ہے اور ان کے بعد تمام ”اممَّه معصومین“ حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہیں۔ یعنی پہلے امام معصوم حضرت علیؓ، پھر حضرت حسنؓ، پھر حضرت حسینؓ، پھر علی ابن حسین زین العابدینؓ، پھر محمد باقرؑ اور پھر جعفر صادقؑ ہیں۔ امامتِ معصومة کا تصور رکھنے والے تمام امامیہ کے نزدیک یہ چھاتھ متفق علیہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر صادقؑ کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظمؑ کی نسل سے ہونے والے پانچ امام کو مانے والے موسوی کھلاتے ہیں، تو ہمارے ہاں کے اہلِ تشیع ہیں، جبکہ جعفر صادقؑ کے بڑے بیٹے اساعیلؑ کو امام معصوم قرار دے کر ان سے چلنے والی شاخ کو مانے والے اساعیلی کھلاتے ہیں۔ موسوی شاخ کے پانچ ائمہ کے بعد چھٹا، جبکہ آغاز سے شمار کریں تو بارہواں امام، اہلِ تشیع کے عقیدے کے مطابق امام غائب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اندیشہ تھا کہ خلفائے بنو عباس بارہواں امام کو شہید کر دیں گے لہذا انہیں کسی غار میں چھپا دیا گیا۔ تقریباً دو سو برس تک تو وہ ”غیوبتِ صفری“ کی حالت میں رہے، یعنی اگرچہ وہ منظر عام پر نہیں رہے، لیکن ان کی امامت بالفعل قائم تھی، ان کے معتقدین ان کے پاس جا کر ان سے

ہدایات لے لیتے تھے، لیکن اس کے بعد ان کا "غیوبت کبریٰ" کا دور شروع ہوا جس میں ان کے ساتھ کسی کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک یہی امام غائب امام محدث ہیں جو قیامت سے قبل ظاہر ہوں گے۔

دوسری طرف اساعیلیوں میں آگے چل کر پھر دو شاخیں ہو جاتی ہیں، جن میں سے ایک شاخ امام حاضر کا عقیدہ رکھتی ہے۔ پرانی کریم آغا خان ان کا امام حاضر ہے جو انکے نزدیک (معاذ اللہ) نبی کی طرح معصوم ہے اور اس سے خطا کا صدور نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اساعیلیوں ہی کی دوسری شاخ میں بھی ایک امام غائب ہو گئے تھے، لہذا ان کے پیشواؤ کو امام نہیں بلکہ داعی کہا جاتا ہے۔ اساعیلیوں کا یہ فرقہ بوہری کملاتا ہے اور آج کل ان کے داعی برہان الدین ہیں۔

اللیٰ تشیع کے بر عکس اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ مخصوصیت خاصہ نبوت ہے اور ختم نبوت کے بعد مخصوصیت ختم ہو گئی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی مخصوص نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی مخصوص نہیں تھے۔ ہمارے نزدیک محدثین کا جو سلسلہ چودہ سو سالوں سے چلا آ رہا ہے، حضرت محدثی کو بھی اسی کی ایک کڑی قرار دینا درست ہو گا۔ البتہ احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہوں گے، اور حضرت فاطمہؓ کی نسل کی حنفی شاخ سے ان کا تعلق ہو گا۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا نام میرے نام پر ہو گا (عنی محمد) اور ان کے باپ کا نام بھی میرے باپ کے نام پر ہو گا (عنی عبد اللہ)۔ اور وہ شخص عرب میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کرے گا۔ آنحضرت نے پورے عالم اسلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف عرب کے بارے میں یہ بات فرمائی۔ اس شخص کو ہم محدثی کے نام سے جانتے ہیں۔

محدثی کے معنی کیا ہیں؟ ہدایت یافتہ شخص۔ ہادی کا مطلب ہے ہدایت دینے والا (یہ اسم فاعل ہے) اور محدثی وہ ہے جس کی ہدایت ہو گئی ہو، وہ جو ہدایت یافتہ ہو۔ محدثی ان کا مختاری نام ہے، اصل نام محمد ہو گا۔ ان کے والد کا نام عبد اللہ ہو گا اور وہ حضرت حسنؓ کی نسل سے ہوں گے، گویا حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

حضرت مهدی کی آمد؟

یہ تو وہ چیز ہیں جو اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ رہایہ سوال کہ وہ کب آئیں گے؟ اور آیا ان کی پیدائش ہو چکی ہے؟ اس بارے میں قیاس آرائی تو ہو سکتی ہے، لیقین کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ تاہم میرا قیاس ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ ان کی پیدائش ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ میں حالات کو دیکھ رہا ہوں۔ گزشتہ چار سال کی تاریخ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کتاب الفتن، کتاب الملاحم اور کتاب علاماتِ قیامت (اشراط الساعۃ) میں شامل احادیث میرے سامنے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ ”سرمه ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف“۔ میں نے اپنے لئے علامہ کے اس شعر میں کچھ ترجمہ کی ہے۔ علامہ خاکِ نجف سے حضرت علیؑ مراد لیتے ہیں جبکہ میرے نزدیک حضرت علیؑ بھی اصلًا خاکِ مدینہ ہی کے گلی سرسبد ہیں۔ میں اسے خاکِ جہاز سے تبیر کرتا ہوں۔ میں اسے یوں پڑھوں گا: ”سرمه ہے میری آنکھ کا خاکِ جہاز و حولِ قدس“۔ حولِ قدس کیا ہے؟ بیت المقدس کا حول، جس کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿سُبْحَنَ اللَّهِ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَارَكَنَا حَوْلَهُ لِنُرِيهِ مِنْ أَيْتَنَا أَنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ ۴۵ یہ علاقہ اڑھائی ہزار برس تک نبیوں کا مکن رہا، سینکڑوں نبی یہاں پیدا ہوئے، سینکڑوں نبیوں نے یہاں وحدت کا گیت کیا اور توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مجھے اقبال کا ایک مصروع یاد آ گیا: صرف ”چشتی نے جس زمین میں وحدت کا گیت کیا“۔ بہر کیف یہی وہ سرزین ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی حمد کے ترانے الاپے تھے۔ پھاڑ اور پرندے ان ترانوں کو سن کر وجد میں آ جاتے تھے۔ اسی زمین میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ دفن ہیں۔ اسی زمین میں نبی اسرائیل کے سینکڑوں انبیاء دفن ہوئے۔ یہی وہ سرزین ہے جو حضرت عیسیٰ کے مواعظ کی امین ہے۔ اسی سرزین کے بارے میں قرآن نے کہا: ”الَّذِي بَارَكَنَا حَوْلَهُ“۔ سرزین حجاز ہو یا ارض فلسطین دونوں کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔

حضرت ابراہیم سے ایک شاخ ان کے بڑے بیٹے اسماعیل کے ذریعے چلی۔ وہ جہاں میں آباد ہوئے۔ اسی سرزین میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی اور حضرت علیؓ کا تعلق بھی اسی علاقے اور حضرت ابراہیمؓ کی اسی شاخ سے ہے۔ اسی اعتبار سے میں اس ترمیم شدہ شعر میں حضرت علیؓ کو حضورؐ سے علیحدہ نہیں سمجھتا کہ ”جہاں“ کا الفاظ دونوں کو شامل ہے۔ اسی سرزین میں آنحضرت ﷺ پر قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ ”حولِ قدس“ سے مراد فلسطین کا وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؓ علیہ السلام کے دوسرا بیٹہ حضرت اُمّتؑ آباد ہوئے اور جو سینکڑوں انبیاء کا مسکن اور سابقہ امت کا مرکز ہے۔ متعدد آسمانی کتابیں اس علاقے میں اتریں۔ میں نے اسی حوالے سے اس مص瑞ے میں ”جاز“ کے ساتھ ”حولِ قدس“ کو شامل کیا ہے کہ ”سرمه ہے میری آنکھ کا خاکِ جازو حولِ قدس!“ ہر کیف قرآن و حدیث ہی نہیں سابقہ آسمانی کتابوں کے مطالعے کی بنیاد پر اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے میں یہ بات تقریباً یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب حضرت مددیؓ کے زیر قیادت عرب مسلمان یہودیوں کے خلاف صاف آراء ہوں گے۔ دیکھئے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا یقین ہے، لیکن اسے دیکھا تو کسی نے نہیں ہے۔ ہاں قرآن سے اسے پہچانا ہے، آیات سے پہچانا ہے ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَآخِيَّلَفِ الْلَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكَ الَّتِي تَحْرِي فِي الْبَحْرِ إِيمَانًا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا.....الخ﴾ یہ آیات آفاقی جو ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہیں، ان کے ذریعے اللہ کو پہچانا ہے۔ تو موجودہ حالات پر اگر نگاہ ہو اور جو علامات احادیث کے اندر بیان ہوئی ہیں، ان پر اگر نظر دروڑائیں تو محسوس ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل حق و باطل کا جو آخری معرکہ (Final Show down) ہونے والا ہے، وجود رحمۃ الرحمٰن کے درمیان ہو گا، وہ اب بہت قریب آچکا ہے۔ یہود کے مذہبی عناصر کا شدید دباؤ ہے کہ یہودیوں کی ریاست کے قیام کے بعد اب فی الفور تحریڈ میں تعمیر ہونا چاہئے۔ یعنی یہکل سیمانی کو اس کی بنیادوں پر تیسری بار تعمیر کیا جائے، جس کے لئے لازم ہے کہ مسجدِ اقصیٰ گرامی جائے۔ اس کے قریب جو سرگم ہے وہ اب

اسرائیلی ریاست نے کھول دی ہے، ہفتے میں پانچ دن کھلی رہے گی اور دو دن یعنی سبت اور سنبھلے کو بند رہے گی۔ گویا مسجد کو گرانے کا سامان کر لیا گیا ہے۔ اب کسی دن مذہبی یہودیوں میں سے کوئی جنوںی جائے گا، جیسا کہ اس سے قبل ایک موقع پر مسجد خلیل میں جا کر ایک یہودی نے کتنے ہی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور پھر خود کشی کر لی تھی، اسی طرح کا کوئی جنوںی جائے گا، اور اس سرگم میں کوئی بڑا دھماکہ کر دے گا، خود بھی ختم ہو جائے گا اور مسجد اقصیٰ بھی مندم ہو جائے گی۔ اسرائیلی حکومت یہ موقف اختیار کرے گی کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں، یہ جنوںی آدمی تھا، اس طرح کے پاگل ہر جگہ ہوتے ہیں، عیسائیوں میں بھی، مسلمانوں میں بھی اور یہودیوں میں بھی، ہمارے ہاں کا بھی ایک پاگل تھا جس نے یہ حرکت کی۔ تاہم اب جبکہ یہ مسجد مندم ہو ہی گئی ہے تو ہمیں اپنا تمپل تغیر کرنے دو۔ اس کا رسروال اس سے قبل ہندوستان میں ہو چکا ہے کہ بابری مسجد جب کچھ ہندو جنوں کی نے گراہی دی تو بابا اب رام مندر ہی بنانے دو۔ یہی معاملہ اب بیرون فلم میں ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جو طوفان اٹھے گا اور عالم عرب کے مخلص مسلمان جس طرح ایک دم اٹھ کھڑے ہوں گے، چشمِ تصور سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں خلافت کافر نس میں نیوار ک سے جو مہمان مقرر تشریف لائے تھے، عمران این حسین، جنوں نے بحمد اللہ تنظیمِ اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے، انہوں نے گزشتہ رات قرآن آذیز نوریم میں اپنی تقریر کے دروان بعض بہت پتے کی باتیں کی ہیں۔

انہوں نے قتنہ دجال پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قربِ قیامت کے واقعات کے ضمن میں بعض احادیث میں حج کے موقوف ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے کہ حج بند ہو جائے گا، اور اس کے آثار موجود ہیں، اس لئے کہ سعودی عرب کے اندر حالات اب خاصے محدود ہیں۔ ماضی قریب میں دو بم دھماکے امریکیوں کے خلاف ہو چکے ہیں اور دو سرے دھماکے میں تو میں افراد مارے گئے۔ اس کے بارے میں امریکہ کی سی۔ آئی۔ اے کی رپورٹ یہ ہے کہ یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ سعودی فوج کے اندر کے بعض عناصر نے یہ کام کیا ہے۔ آخر سعودی فوجیں بھی مسلمان ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی

وہاں موجودگی انہیں یقیناً کھلتی ہوگی۔ اگر ان میں سے اکثرت بے غیرت ہو گئے ہوں تب بھی ان میں کچھ افراد تو غیرت مند بھی ہوں گے۔ لذ اندیشہ ہے کہ کوئی بہت بڑا طوفان وہاں آنے والا ہے۔ اور فرض کیجئے، جیسا کہ مگنِ غالب ہے، شدید اندیشہ ہے کہ اگلے سال ۷۶ء میں مسجد اقصیٰ شید کر دی جائے گی۔ اس کے لئے فضا ہوا رک جاری ہے۔ لیٰ وی پر ایک ٹلم دکھائی جا رہی ہے جس میں وہ سرگ (tunnel) دکھائی گئی ہے جو مسجد اقصیٰ کے نیچے کھولی گئی ہے، کہ یہاں پہلے ان کا پل ہوتا تھا جس کے انہدام کے بعد اس جگہ مسلمانوں نے مسجد تعمیر کر لی۔ اس طرح رائے عامہ کو ہوا رک کیا جا رہا ہے اور یہ بات تو ہم بھی مانتے ہیں کہ اسی جگہ پر تھا، اس سے پہلے گرایا تھا جنت نظر نے، پھر اسے حضرت عزیز نے تعمیر کیا، پھر دوبارہ گرایا تھا نئی رومنے ۲۰۷۰ء میں، اس کے بعد سے آج تک وہ گرا پڑا ہے۔ مسلمانوں نے اگرچہ اسے نہیں گرایا لیکن یہ کہ اس جگہ پر مسجد ضرور تعمیر کی ہے۔ بحال اس حوالے سے اب جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں عالم عرب کے اندر ایک زبردست خلفشار پیدا ہو گا۔ یہ حدیث میرے سامنے پہلے بھی تھی، کئی وفعہ میں نے اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک وفعہ خواب کی کیفیت میں کچھ دیکھا اور پھر آپ پوچھ کر اٹھئے اور آپ نے فرمایا: وَيَلِ الْعَرَبِ مِنْ شَرِّ قَدِ افْتَرَبَ "ہلاکت اور برپادی ہے عربوں کے لئے اس شر سے کہ جو قریب آ جکا ہے۔" تو ابھی تک کوئی خاص ایسا شرعاً عربوں کے لئے مجموعی طور پر نہیں آیا جس پر اس حدیث کا اطلاق کیا جاسکے۔ میرے نزدیک اس حدیث میں اسی "الملحمة المعظمی" کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے بڑی تباہی عربوں پر آئے گی (واللہ اعلم)۔ بعض اور احادیث سے بھی اسی جانب رہنمائی ملتی ہے۔

میری اس قیاس آرائی کی کہ حضرت مددی موعود کی آمد اب زیادہ دیر کی بات نہیں، تائید سعودی عرب میں سعودی شاہی خاندان کی موجودہ صورتحال سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آل سعود کی حکومت میں جو تسلیل اور استحکام ہے اس کا راز اس میں مضمون ہے کہ ان کے ہاں جائشی کا معاملہ ابھی تک طے شدہ اصولوں کے مطابق چل رہا ہے۔ ملک عبد العزیز بن سعود کے بیٹوں میں سے ولی عہدی کی ترتیب پہلے

سے طے شدہ ہے، ایک بھائی کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیرا عنان حکومت سنبھالتا چلا آ رہا ہے۔ بھائیوں کی قطار ماشاء اللہ خاصی بھی ہے لہذا اگلی نسل میں ابھی یہ معاملہ منتقل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ جیسے ہی کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے ولی عمد کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا جاتا ہے تاکہ اگر شاہ کی اچانک موت واقع ہو جائے تو ولی عمد فوراً چارج سنبھال لے اور کوئی بحرانی صور تحال پیدا نہ ہونے پائے۔

یہ ان کی خاندانی روایت ہے اور ان کے ہاں اب تک یہی معاملہ ہوتا رہا ہے لیکن یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ شاہ فرد کا جو ولی عمد ہے وہ امریکہ کو پند نہیں ہے۔ پرانے عبد اللہ کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ کچھ مذہبی مزاج کا آدمی ہے اور اسے فنڈ امپلٹ سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ فنڈ کے بعد اس کی بجائے کسی اور کو تاج و تخت سونپا جائے جو امریکی مقدادات اور عزائم کے راستے کی رکاوٹ ثابت نہ ہو۔ اگر طاقت کے نئے میں امریکہ نے یہ حماقت کی اور اپنے دباؤ کے ذریعے سعودی روایات کے بر عکس موجودہ ولی عمد کے بجائے کسی اور کو فنڈ کی جگہ تخت پر بٹھایا تو شدید اندریشہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اور اس خانہ جنگی کے دوران ایک شخصیت ابھرے گی اور وہ مددی ہوں گے۔

مهدیٰ موعودؑ احادیث کے آئینے میں

اب ہم حضرت مددی کے بارے میں چند احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مسعود رض قال قال رسول اللہ ﷺ :

((لَا تَذَهَّبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتٍ

بُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي)) (رواه الترمذی وابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا : ”دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے

ایک شخص عرب کا بادشاہ نہ بن جائے۔ اس کا نام میرے نام کے موافق ہو گا۔“

اب دیکھئے حضور ﷺ کے بعد آج تک تو آپؐ کے اہل بیت میں سے کسی کی بادشاہت

عرب پر قائم نہیں ہوئی۔ خلافتے راشدہ میں سے حضرت علی "آپ" کے اہل بیت میں سے تھے، لیکن ان کی حکومت بھی پورے عرب پر قائم نہیں ہو سکی۔ بنو امیہ اور بنو عباس بھی آپ" کے اہل بیت میں سے تھے۔ تو یوں سمجھتے کہ اہل بیت کا لفظ نسل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جس بادشاہ کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ آپ" کی نسل سے ہو گا۔ پھر آپ" نے فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر ہو گا۔ یہ روایت جامع ترمذی اور سنن البخاری میں موجود ہے۔ جبکہ ابو داؤد کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں :

((الْوَلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ يَطْلُوُ اللَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ) حَتَّى يَبْعَثَ اللَّهُ فِيهِ رِجَالًا مُنْتَى... اوَاهِلِ بَيْتِي... يُواطِئُ أَسْمَهُ اسْمُرِي وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمُ أَبِي، يَمْلأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلْئِتُ ظُلْمًا وَجُورًا))

"اگر دنیا (کی عمر) میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبارک دے گا، یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ مجھ سے (یا فرمایا : میرے اہل میں سے) ایک آدمی کو اخھائے گا، جس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہو گا۔ وہ زمین کو انصاف اور عدل سے بھر دے گا جیسا کہ اس سے پہلے وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہو گی"۔

متذکرہ پالا دونوں احادیث میں جس بادشاہ کا ذکر ہے یہ وہی شخصیت ہے جسے اہل سنت محدثی مانتے ہیں۔

عن ام سلمة رض قالت : سمعتُ رسولَ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقول :

((الْمُهَدِّيُّ مِنْ عُتْرَتِي، مِنْ أَوْلَادِ فَاطِمَةَ))
(رواہ ابو داؤد)

(ام المؤمنین) ام سلمہ رض بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنा : "محدثی میری عترت سے اولاد فاطمہ رض میں سے ہو گا"۔ (اسے ابو داؤد نے روایت کیا)

اس حدیث میں ان کا ذکر محدثی کے نام سے آگیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں محدثی کا ذکر ہوتا ہے، لیکن میں اب سعودی عرب کے خاص حالات کے حوالے سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں۔ جماں تک میرا احساس ہے سعودی عرب میں اس وقت

حالات یہی رخ اختیار کر رہے ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم! اس وقت شاہ فند کی صحت تقریباً جواب دے چکی ہے اور ان کے انتقال کے بعد وہاں ولی عمد شزادہ عبد اللہ کی تخت نشینی کے مسئلہ پر شدید اختلاف کا اندیشہ ہے۔ مجھے تو ایک صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب شاہ فند نے زمام حکومت سنبھالی تو اس وقت بھی وہ عبد اللہ کو اپنا ولی عمد بنا پاسند نہیں کر رہے تھے اور اس مسئلے پر اس قدر جھگڑا ہوا تھا کہ عبد اللہ نے فند پر گولی چلا دی تھی، لیکن وہ فتح گئے تھے۔ گویا کہ یہ چیقش آغاز سے موجود ہے۔ اگرچہ فند کو عبد اللہ کا ولی عمد بنا پاسند نہیں تھا لیکن خاندان کے بڑوں نے یہ طے کیا کہ فند کے بعد عبد اللہ کی باری ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ عبد اللہ کو روکنے کے لئے اسے قتل کرا دیا جائے۔ سی آئی اے سے یہ بعید نہیں ہے۔ کوئی اور صورت بھی پیش آسکتی ہے، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کا نقشہ اس حدیث کے اندر دیکھ لیجئے۔

عَنْ أَمِّ سَلْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ : ((يَكُونُ
الْخُتْلَافُ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فِي خَرْجٍ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ
الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِّنْ أَهْلِ مَكَّةَ
فِيْخِرِ جُونَةٍ وَهُوَ كَارَهٌ فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنَيْنَ
وَالْمُقَامِ))

(ام المؤمنین) حضرت ام سلمہ رض بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک خلیفہ (یعنی بادشاہ) کی موت پر اختلاف واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص بھاگ کر (پناہ لینے کے لئے) مکہ چلا جائے گا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور وہ اسے نکالیں گے (بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کبھی کے پردے کے پیچے چھپا ہو گا) اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو گا (کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے) پھر وہ رکن (خانہ کعبہ کا وہ کوئہ جس میں مجرماً نسوب ہے) اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے.....“

ظاہر ہے کہ جب بھی کہیں اس طرح کا انتشار پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنی سیاسی آراء کے حوالے سے نمایاں ہوتے ہیں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جس

شخصیت کا ذکر ہے وہ بھی کوئی نمایاں شخصیت ہو گی جو اپنی جان بچانے کے لئے مددینے سے جا کر کہہ میں پناہ لے گی۔ اہل مکہ انہیں پہچان لیں گے کہ یہی مددی موعود ہیں۔ چنانچہ انہیں ان کی پناہ گاہ سے (یعنی بیت اللہ کے پردوں کے پیچے سے) انکال کران کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ زیر نظر حدیث میں اس کے بعد کچھ جنگوں کا تذکرہ ہے کہ شام سے ان کے خلاف جنگ کے لئے جو لٹکر روانہ ہو گا اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداع پر دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مددی ہیں تو پھر شام، عراق اور عرب کے کونے کونے سے لوگ آکر ان کے ساتھ جمع ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ پھر کچھ جنگیں ہوں گی جن کے بعد مددی کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ حدیث کے آخری الفاظ کے مطابق:

((وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ وُسْنَةً نَبِيَّهُمْ وَيُلْقَى الْإِسْلَامُ بِحَرَانَهِ فِي الْأَرْضِ، فَيَلْبَثُ سَبْعَ سَنِينَ ثُمَّ يُشَوَّفَى وَيُصَلَّى عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ)) (رواه ابو داؤد)

”پھر وقت آجائے گا کہ (لوگوں پر ان کے نبی کی سنت کے مطابق) حکومت ہو گی اور اسلام زمین پر اپنا جمنڈا نصب کر دے گا۔ پھر وہ (مددی) سات سال تک رہیں گے، پھر ان کا انقلاب ہو جائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے۔“

تو یہ ہیں حضرت مددی جو عرب کے دو خلفشار میں ایک نیک شخصیت کی حیثیت سے اہم ہیں گے۔ اہل حق ان کے گرد جمع ہوں گے اور اہل باطل کے ساتھ ان کی جنگیں ہوں گی۔ بالآخر انہیں کامیابی حاصل ہو گی اور یہ عرب میں ایک اسلامی حکومت قائم کر لیں گے۔

اب اس کے ساتھ ان احادیث کو جو روایتیں جو میں قبل ازیں کئی بار بیان کرچکا ہوں۔

امام مددی کو جو مددی گی اس کے ضمن میں ابن ماجہ کی یہ حدیث بہت اہم ہے :

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ :

((يَخْرُجُ نَاسٌ مِّنَ الْمَشْرِقِ فَيَوْطِئُونَ لِلْمَهْدِيِّ يَعْنِي سُلْطَانَهُ))

عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "مشرق سے لوگ تھلیں گے جو مددی کی مدد یعنی ان کی حکومت کے نمکن کے لئے زمین کو رو نہ تھے ہوئے بڑھتے چلے جائیں گے۔"

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق کے کسی علاقے میں پہلے سے اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو گی۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "خراسان" کا علاقہ ہے، جس کے بارے میں میں بتاچکا ہوں کہ اس میں موجودہ افغانستان کے اکثر علاقوں کے علاوہ پاکستان اور ایران کے بھی بعض علاقوں شامل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَأْيَاتُ سُودٍ، فَلَا يَرْدُهَا شَىءٌ حَتَّى
تُنْصَبَ بِإِيمَانِهِ)) (رواه الترمذی)

"خراسان سے سیاہ جنڈے تھلیں گے، جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی، یہاں تک کہ وہ ایسا (بیت المقدس) میں نصب کروے جائیں گے۔"

اس دور میں ہم نے جن حدیثوں کو بھی اللہ بت عام کیا ہے ان میں سے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مردی یہ حدیث بھی ہے جو سنن النسائی میں وارد ہوئی ہے:

((عَصَابَاتِنَ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ عَصَابَةَ تَغْرُّ
الْهِنْدَ وَعَصَابَةً تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
عَلَيْهِمَا السَّلَامُ))

"میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ سے بچائے گا۔ ایک گروہ جو ہندوستان سے جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم طیہما السلام کا ساتھ دے گا۔"

ان دو لٹکروں کے بارے میں دنیا ہی میں فیصلہ کر دیا گیا کہ جوان میں شریک ہو گا وہ جنم کی آگ سے بچ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علی السلام کی دجال سے جو بچگ ہونی ہے اس میں یہاں سے جانے والے لٹکر شریک ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے پہلے یہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو گی اور اس کی توسعی مشرق میں بھی ہو گی اور مغرب میں بھی۔ چنانچہ

ہندوستان پر حملہ آور ہونے والے لٹکر کا تعلق بھی یہیں سے ہو گا۔

ہمارے کرنے کا اصل کام؟

احادیث نبویہ کی روشنی میں حضرت مهدی کی خصیت کے بارے میں میں نے اپنا موقف بیان کر دیا ہے۔ اب یہ سمجھ لئے کہ میرے اور آپ کے کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اس جماعت میں شامل ہیں جو دین کی تجدید کے لئے اور صحیح دین کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اسے دنیا میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ احادیث صحیح کی روشنی میں بلا خوف تردید یہ بات کی جاسکتی ہے کہ نظام خلافت بالآخر قائم ہو کر رہے گا اور قیامت سے قبل پورے کرہ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ہمیں اپنے بارے میں طے کرنا ہے کہ ہمارا اس میں کردار کیا ہو گا۔ ابو لسب اور حضرت حمزہ دونوں حضور ﷺ کے سے چچا تھے لیکن علیہ دین کی جدوجہد میں دونوں کا کردار ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھا۔ ایک انتہائی محروم ٹھرا اور سورہ لمب میں اسے بدترین نمائندہ کردار کے طور پر پیش کیا گیا جبکہ دوسرے سے ایڈ الشهداء قرار پایا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کس فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا تیسرا چچا کچھ بین بین تھا، وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن آپ کی سربستی کرتا رہا، یعنی ابو طالب۔ چوتھے چچا وہ تھے جو ایمان لائے لیکن وہ ”سابقون الاولون“ میں شامل نہیں تھے اور اس عظیم انقلابی جدوجہد میں ان کا کوئی نمایاں روں سامنے نہیں آتا۔ شاید اسی لئے جمع کے خطبوں میں ان کے لئے الفاظ آتے ہیں : ”اللَّهُمَّ أَغِفِرْ لِلْعَبَاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذُنْبًا“۔ سید الشداء حضرت حمزہ سے اگر ان کا مقابل کریں تو وہ بہت بیچھے نظر آتے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ کے یہ چار چچا ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے چاروں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک انتہا پر سید الشداء حضرت حمزہ ہیں جو ”اسدُ اللَّهِ وَاسَدُ رَسُولِهِ“ قرار پائے، دوسری انتہا پر ابو لسب ہے جو آپ کا بدترین دشمن تھا۔ درمیان میں ایک طرف ابو طالب ہیں جو اگرچہ ایمان تو نہیں لائے لیکن آپ کی مدد اور تعاون کرتے رہے۔ ان کے بالمقابل دوسری

طرف درمیان میں حضرت عباس ہیں جو ایمان تو لائے اور فتح کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی رہے لیکن آنحضرت ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں ان سے منسوب کوئی قابل ذکر کارنامہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ تواصل بات ہمارے سوچنے کی یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کن لوگوں کے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بارے میں کیا روں طے کرتے ہیں۔

میں اس ضمن میں ایک اور حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ وہ جماعت جو آخری دور میں حق کے لئے میدان میں نکلے گی اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا اس حدیث کو امام بیحقیقی نے ”دلاکل النبوة“ میں درج کیا ہے۔ لظاہر ہو :

عن عبد الرحمن بن العلاء الحضرمي قال حدثني من
سمع النبي ﷺ يقول : ((إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أَخْرِ هَذِهِ الْأُمَّةِ
قَوْمٌ لَهُمْ مُثْلُ أَجْرِ أُولَئِكُمْ، يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاونَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَيُقَاتِلُونَ أَهْلَ الْفِتْنَ))

”حضرت عبد الرحمن بن العلاء الحضرمي رضي الله تعالى عنه فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ سے اس شخص نے بیان کی جس نے خود براہ راست آنحضرت ﷺ سے سنی، کہ یقیناً میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ جو اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے بالکل ابتدائی زمانے کے الیام کے مساوی ہوں گے۔ (یعنی جیسے آنحضرت ﷺ کے دور میں حالات انتہائی نامساعد تھے اسی طرح آخری دور میں بھی مسلمانوں کو انتہائی مشکل حالات اور آزمائشوں سے سابقہ پیش آئے گا اور اسی وجہ سے ان کا اجر بھی سابقون الاولوں کے مثل ہو گا۔ لیکن یہ اجر کن لوگوں کے لئے ہو گا؟ اس کا جواب حدیث کے اگلے الفاظ میں آرہا ہے) وہ لوگ تیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور فتنہ برپا کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔“

یہ اجر و ثواب اور مقام و مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہو گا جو امر بالمعروف اور نهى عن المکر کا فریضہ سرانجام دیں گے اور دشمناں دین کے خلاف منظم جماد کریں گے۔ دیکھئے، اسلامی انقلاب کے آخری مراحل کے بیان کے لئے میں یہیش ”نى عن المکر“ کا عنوان اختیار کرتا ہوں کہ ”نى عن المکر“ کا عمل جب ”زبان“ سے بڑھ کر بازاو اور قوت کے استعمال کے

مرحلے میں داخل ہو گا تو یہ وہ آخری مرحلہ ہو گا جو فیصلہ کن ثابت ہو گا۔ تاہم یہ کام ایک منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ہر کیف جو لوگ اس رخ پر جدو جمد کریں گے، اس حدیث میں انہی کے لئے بشارت وارد ہوئی ہے۔

مکہُوٰ شریف کے آخری باب کاعنوان ہے : "ثوابُ هذِهِ الْأَمْةِ"۔ یہ حدیث مکہُوٰ کے اسی باب میں شامل ہے۔ اللہ ایسے سمجھتے کہ وہ مقامات بلند تو اب ہمیں کسی درجے میں بھی حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ ابھی موقع ہے، آؤ ہمت کرو۔ دنیا کو چھوڑو، رہبانیت کے انداز میں نہیں، مجاهدین کے انداز میں۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے سوائے دو صورتوں کے، ایک صوم اور دوسرا جماد۔ دیکھتے روزہ میں بھی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی اور بیویوں کے ساتھ تعلقات کی۔ یہ گویا چودہ پندرہ گھنٹے کی رہبانیت ہے۔ اور جماد میں کیا ہے؟ آدمی اپنے گھر سے لکھا ہے، تکلیفیں اٹھاتا اور مشقیں جھیلتا ہے، گویا یہ بھی عارضی طور پر ترکِ دنیا کی ایک صورت ہے۔ یہ وہ رہبانیت نہیں کہ دنیا سے بالکل کٹ کر غاروں میں چھپ جاؤ، بلکہ یہ تو نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شیریٰ ۱) والی بات ہے۔ یہ قسوف کی ایک مختلف صورت ہے۔ یہ وہ فعال تصوف ہے جو سید احمد برلنی شہید ۲) کا تھا جو انسان کو جماد و قوال پر آمادہ کرتا ہے۔ اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ محمدیہ ہے جس میں سید احمد برلنی ۳) نے بیعت لی تھی۔ ہمارے ہاں دیگر تمام سلاسل موجود ہیں۔ سلسلہ قادر یہ بھی ہے اور سلسلہ چشتیہ بھی۔ اسی طرح سلسلہ صابریہ، سلسلہ مجددیہ، نقشبندیہ اور سلسلہ سرور دیہ سب موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "سلسلہ محمدیہ" کیا گیا؟ سید احمد برلنی شہید پہلے معروف سلاسل میں کچھ سلوک طے کرنے کے بعد پھر بیعت لیتے تھے سلسلہ محمدیہ میں، کہ اب آؤ جماد کی بیعت کرو! نَحْنُ الَّذِينَ بَأَيَّعُوا مُحَمَّداً عَلَى الْجَهَادِ مَا بَأَقِيتُنَا أَبْدًا! (اہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جماد کی بیعت کی ہے، اب یہ جماد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے۔) تنظیم اسلامی اسی دعوت کو لے کر انہی ہے۔ اللَّهُمَّ وَقِنَا لَهُذَا

اقول قولی هذا واستغفر الله له ولهم ولسائر المسلمين والمسلمات ۰۰

مرکزی انجمن خدمت القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

فیض ایمان — اور — سرحد پر یقین

قرآن حکیم

کے علم و حکمت کی

ویسیع پیانے — اور — اعلیٰ علمی طب

پر تشویر و اشاعت

تاریخ امتیت کے فیغم عناصر میں تجدید ایمان کی کلیک غیر معمی تحریکیں پا ہو جائے
اور اس طرح

اسلام کی نشأۃ ثانیہ — اور — علیہ دین حق کے دو شان

کی راہ ہمارا ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ لِلْأَمْنِ إِنْ عِنْدِ اللَّهِ